

محدث

وَرَكِبْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ الْمَكِينِ
فَمِنْ حَامِنِينَ



مجلس التحقيق الإسلامي كاردن باون لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام **محدث** تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے **محدث** وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر **محدث** پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

لاہور

محدث

ماہنامہ

ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰

جلد: ۸	محرم الحرام ۱۳۹۸ھ	شمارہ: ۱
--------	-------------------	----------

فہرست مضامین

- ۱۔ ٹکڑے نظر . . . اسلام کی تعبیر نو ادارہ ۲
- ۲۔ الکتاب والحکمتہ . . . وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الہاد! (ادارہ) ۱۱
- ۳۔ السنۃ والحدیث . . . فساد فی سبیل الجمہوریتہ (ادارہ) ۱۹
- ۴۔ الاستفتاء . . . (۱) ایک مجلس میں تین طلاقیں (ادارہ) ۲۸
- (ب) فرضوں کے بعد سنتوں میں تاخیر
- (ج) جگہ کی تبدیلی
- (د) ابن تیمیہؒ اور دعا
- ۵۔ قرآن و سنت کا علمی نفاذ جناب یدیع الزمان کی کاوش ۴۱



ناشر: حافظ عبدالرحمن مدنی طابع: چودھری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴-شارع فاطمہ جناح، لاہور

فی پریس: ۱۶۵۰ روپیہ

زر سالانہ: ۱۵۶۰ روپے

اسلام کی تعبیر نو

خدا کو سمجھانے کی نئی تدبیریں

بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ قاتل کی تلاش شروع ہو گئی تو بات یہاں آ کر لڑکی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کا ایک عضو مقتول کو لگایا جائے، قاتل کا سراغ مل جائے گا، بات سیدھی اور صاف تھی، چاہتے تو کوئی سی گائے ذبح کر کے اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے، لیکن اصل بات ذہنیت اور نیت کے فتور کی تھی، اس لیے ”چونکہ چنانچہ“ کے ایر پھر میں رہے۔ اس سلسلے کا اگر آخری نقطہ کھودیتے تو پھر اس کا فیصلہ قیامت کو ہی ہوتا۔

آج ہم بھی بعینہ اسی شیج پر کھڑے ہیں، جی چاہتا نہیں کہ اسلام آئے لیکن حالات اور وقت کے تقاضے بھی بچھا نہیں چھوڑتے۔

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ بھڑ جائے ہے مجھ سے

نیت کے فتور کے علاوہ مناسب اہلیت اور مطلوبہ صلاحیت سے بھی ان کی جیسی خالی ہیں، اس لیے ان کو رونا پڑ گیا ہے کہ: اب کیا بنے؟

بو جھوہ سر پہ گراں ہے کہ اٹھائے نہ بنے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

قوم چاہتی ہے وعدوں کا تقاضا ہے اور تخلیق پاکستان کا اقتضا ہے کہ اب یہاں اسلامی نظام حیات کا نفاذ ہو، مگر رہنمایان قوم کسی اور سوڈ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے دلوں میں دھکے سے یہ روشنی اتاری نہیں جاسکتی، توڑ مڑ کر اگر ان کو مجبور کر دیں گے تو وہ بھی توڑ مڑ کر ہی آپ کو کچھ پیش کریں گے۔ اس لیے اب کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح قوم کو بہلایا جاسکے، لیکن سوال پیدا ہوا کہ: یہ کیسے ہو؟

جو بے دین گروہ ہے اس نے تو یہ نعرہ ایجا دیا ہے کہ: پاکستان اس لیے نہیں بنایا

گیا تھا کہ قوم کو کوڑے مارے جائیں۔ انھوں نے یہ بات کہہ کر دو دشکار کیے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ بات سن کر عوام بدکیں گے اور یہ مطالبہ عوامی حمایت سے محروم ہو جائے گا۔
دوم یہ کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی پیوست ہو جائے گی کہ: اسلام کوئی جان آفرین
نظام نہیں ہے بلکہ حیات کش ایک دہشت انگیزی کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تنازع کے بعد
اسلامی اقدار کو خوش آمدید کہنا مشکل ہی نہیں، مشکل تر گھیلنا جائے گا۔

دوسرا وہ گروہ ہے جو اسلام کا منکر تو نہیں ہے لیکن اس کا عاشق بھی نہیں ہے۔ وہ
دوغلہ ہو رہا ہے۔ اسلام، اسلام کی رٹ لگا کر اگر ان کو کوئی مل سکتی ہے تو وہ اسی کی رٹ
لگانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا اگر اس سلسلے میں ان کے سامنے "بین بین" کوئی راہ آتی ہے تو
وہ اس کو بھی قبول کر سکتا ہے۔ غرض یہ چڑھتے سورج کے یار ہیں، ہمارے یار نہیں ہیں۔

رسن زلف پئے جیدہ در آویختہ اند
جز دل تشنہ از آل چاہ ز نغذاں مطلب

"یعنی (معتوق نے) زلف کی رسی تو صرف فریب دینے کے لیے لٹکا رکھی ہے اس لیے بس
چاہ ز نغذاں سے پیاسے دل کے سوا اور کسی چیز کی توقع نہ رکھیے۔"
ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو دل سے اسلام کے نفاذ کا متمنی تو ہے لیکن اپنے فقہی اور
کلامی رجحان کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص مکتبی سیلانات
کے نفاذ کو بھی اسلام ہی سمجھ رہے ہیں۔

ایک طبقہ مقلدین کا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے مسلک کی بنیادی کتاب کو مملکت
اپنے قوانین اور آئین کا ماخذ بنالے۔ چنانچہ سننے میں آیا ہے کہ وہ اس کے لیے تمام غالیگریا
کا نام لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ذہن ائمہ دین کے تعامل کے خلاف ہے کہ ایک مخصوص طبقہ
کے فقہی فکر و عمل کو سارے ملک پر مسلط کر دیا جائے۔ حضرت ام مالک (دف ۱۹۷۱ء) سے
منصور نے درخواست کی تھی کہ وہ ٹوٹا مالک کی نقیص اپنی مملکت کے مختلف سبوروں کو بھیج
دیں تاکہ وہ اس کو اپنی مملکت کے لیے دستور العمل بنالیں، لیکن آپ نے اس پیشکش کو قبول
کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے سامنے احادیث وغیرہ کا جو ذخیرہ ہے، وہ ان کے لحاظ سے
آزاد ہیں۔

قال مالک بن انس لما حج المنصور قال قد عزمت علی ان امر بکتا بک هذا

الستی وضعها فتسخ ثم العث الى مصر من امصار المسلمين منها نسخة و امرهم ان
يعملوا بها ولا يتعدوا الى غيره، فقلت يا امير المؤمنين لا تفعل هذا، فان
الناس قد سبقت اليهم اقراريل وسمعوا احاديث درود ورايات و اخذ كل قوم بها
سبق اليهم و انوابه خلع الناس و ما اختار اهل كل بلد منهم لانفسهم (طبقات
ابن سعد)

حضرت امام مالکؒ نے دراصل ایک بنیادی اصول کی طرف رہنمائی کی ہے، وہ یہ کہ اسلامی
مملکت کے نظام حکومت کا ماخذ صرف کتاب و سنت کو ہونا چاہیے کسی شخصی فکر کو در خواہ وہ
کتاب و سنت سے ہی ماخوذ تصور کیا جاتا ہو اس کی اساس نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ ایک
مسلم کی حیثیت سے دوسرے سب مسلم اس باب میں مساوی درجہ رکھتے ہیں، کوئی کسی کا کلمہ نہیں
پڑھتا اور نہ اس پر ایمان لاتا ہے۔ صرف ایک توجیہ کی حد تک اس سے اتفاق کرنے کے معنی
یہ نہیں ہوتے کہ وہ اس کے ایمان کا جزو بھی ہے۔ یا اسے اس نے "شرع" کا ماخذ ہی تصور کر
لیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے اس ارشاد اور تعامل سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی
مملکت کے لیے آئین اور قوانین کی تدوین مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی حیثیت وہی رہے گی
جو موطا مالک کے سلسلے میں امام موسیٰ نے محسوس کی یعنی قرآن و سنت سے ماخوذ سہی تاہم وہ ایک
یا چند بندوں کی آرا یا در اخذ کردہ نتائج کا ہی ایک مجموعہ ہوگا۔ جس کا پوری قوم کو پابند بنانا
کتاب و سنت کے پابند بنانے کے مترادف نہیں سمجھا جاسکتا۔ حالانکہ دعویٰ یہ ہے کہ ملک کا
آئین اور ضابطہ قرآن و سنت ہوں۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا ارشاد ہے اور جس پر قرون شہود ہم باخیر کا تعامل رہا ہے۔ صحیح
یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی کھلی کتاب ہلکی عدلیہ کے ہاتھ میں یکطرفہ دی جائے اور ان کو اس امر
کا پابند نہ دیا جائے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ کو سامنے رکھیں، اس کے بعد ان کتب احادیث
سے استفادہ کریں جو مرفوع احادیث کا خزانہ ہیں۔ اجماع امت پر نگاہ رکھیں۔ اگر یہاں سے
کام نہ چلے تو خلفائے راشدینؓ اور دوسرے فقہاء صحابہؓ کے آثار کو ملحوظ رکھیں۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ فاضل حج جو بھی فیصلہ کریں گے تقلیداً نہیں کریں گے علی وجہ البصیرۃ
کریں گے، اور براہ راست کتاب و سنت کے مطالعہ کا ان کو جو موقع ملے گا وہ ہمیں صاحب بصیرت ملے گا۔

بھی ہبیا کرے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حالات موجود کیا جائے، عموماً صحابہ قرآن و حدیث کا مطالعہ نہیں کر سکتے، تو ہم کہتے ہیں کہ عبوری دور کے لیے ذمہ دار علماء کو ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ یہ کہ احادیث اور آثار صحابہ کے وہ ابواب بہ ترجمہ یکجا جمع کر کے ان کے حوالے کر دیے جائیں جو عدلیہ کے لیے ضروری ہیں۔ ترجمے انگریزی اور اردو دونوں ان کو ہبیا کر سکتے ہیں اور وہ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

باقی رہا اختلاف کا ڈربہ تو وہ صرف غیر مدونہ شکل کا لازمہ نہیں ہے، تدوین کے باوجود اختلاف کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، ان سے گھبراننا مناسب نہیں ہے۔ جاہل کے لیے اختلاف شدید مشکل ہو لیکن جو اہل علم ہوتا ہے، ان کے فکر و نظر میں اختلاف اور تنوع ایک قدرتی امر ہے، اس سے منفرد حال ہے۔ تاہم چالو کیس میں نجی سطح کے فیصلوں میں جو اختلاف رونما ہو جاتا ہے سپریم کورٹ کے فیصلوں کو اس کا حل تصور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آنے والی سپریم کورٹ حالیہ سپریم کورٹ کے فیصلوں کی پابند نہیں رہے گی اور نہ اسے اس کا پابند رہنا چاہیے، کیونکہ وہ قرآن و سنت کی پابند اور جوابدہ ہے۔ وہ شرعاً پچھلی سپریم کورٹ کے فیصلوں کی پابند نہیں ہے۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ استثنا صرف بعد میں آنے والی سپریم کورٹ کے لیے نہیں ہے بلکہ حالیہ سپریم کورٹ کے جج کے لیے بھی اس سے اختلاف ممکن ہے۔ اسی طرح اس سے ذیلی سطح کے ادارے بھی آزاد رہ سکیں گے کہ قرآن و سنت کے مطابق وہ جو صحیح سمجھتے ہیں اسی کے مطابق فیصلے کریں، اگر صاحب مقدمہ اس سے مطمئن نہیں ہے تو وہ خود اگلی عدالتوں کا رخ کر سکتا ہے لیکن وہ خود اوپر کی عدالت کے فیصلے کے پابند نہیں ہونے چاہئیں۔ ہاں علم و تقویٰ کی کمی کی بنا پر اگر کچھ عرصہ کے لیے ان کو سپریم کورٹ کے فیصلوں کا پابند کر دیا جائے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس لیے قانون اور تہن کی تعبیر کے لیے جن حضرات کا انتخاب کیا جائے وہ صرف سندت کی بنیاد پر نہ کیا جایا کرے بلکہ تجربہ، تقویٰ اور طہارت نفس کی قدروں کو بھی ان میں ٹٹولنے کی کوشش کی جایا کرے۔ ورنہ مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ بدنام افراد پر بھی اس کے سارے دروازے بند کر دیے جائیں تاکہ اہل نظر اور صاحب دل پیدا ہوں۔

بعد میں مقدسین نے امام دارالہجرتہ کے مندرجہ بالا اصول کی پروا نہیں کی خاصکر حنفی بزرگ اس سلسلے میں وہ مناسب احتیاط ملحوظ نہیں رکھ سکے جس کا مظاہرہ امام موصوف نے کیا تھا۔

وكان اشهر اصحابه ذكره ابو يوسف رحمه الله تعالى قولي قضاء القضاة ايام هارون الرشيد فكان سببا لظهور مذاهب والعقائد به في اقطار العراق وخراسان وما وراء النهر (حجة الله)

مقلدین کے بعد دوسرا طبقہ جو خصوصی رجحان کے زیر سایہ نفاذ شریعت کا قائل ہے وہ منکرین حدیث کا گروہ ہے، اس کے نزدیک، قرآن کے بعد حدیث کی ضرورت نہیں رہی، لہذا ملک کا دستور صرف قرآن کو ہونا چاہیے، ان کا خیال ہے کہ نظارت کی حد تک احادیث سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، ماخذ شریعت کی حیثیت سے نہیں۔ ان کے نزدیک اس کا حتمی فیصلہ ”مرکز ملت“ کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ قرآنی آیات کا مفہوم متعین کرے، جب تک ”مرکز ملت“ مشہور نہ ہو تو پھر غالباً وہ فرمائیں گے، اس وقت تک ان کی اپنی ذات گرامی جو مضمون شخص کرے، اسے حق تصور کیا جائے یا یہ کہ جسے جو سمجھ میں آئے، اختیار کرے، گو یا کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ملکہ نبوت کے تحت جو سمجھے ہیں وہ تو اب محل نظر ہے جو بعد میں آنے والا ایک تاریخی سمجھ پاتا ہے، اسے اس پر ہی تاعنت کرنا چاہیے۔ بہر حال ”مرکز ملت“ ان دوستوں کا امام مہدی ہے جس کے وہ منتظر ہیں۔

ان دوستوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو قرآن حکیم سے جدا کر کے قرآن مجید کو خلق خدا کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، جسے جو سمجھ میں آئے اختیار کرے۔ قرآن پاک کے سلسلے میں یہ انارکی، قرآن کو حیثیتاں ہی بنا لے گی۔ ان کا مطلوب مرکز ملت مدتوں سے غائب ہے اور ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب مشہور ہو۔ یعنی شیعوں کی طرح کسی امام غائب کے انتظار میں وقت پاس کر رہے ہیں۔ جب تک وہ تشریف نہیں لاتے، آپ جو چاہیں قرآن سے معاملہ کریں، آپ آزاد ہیں۔ اس حیثیت سے قرآن فی الحال ”مترک سرمایہ“ تصور کیا جائے گا یا ملت اسلامیہ کا ہر فرد ”مرکز ملت“ کا فریضہ انجام دینے کا مجاز ہوگا، کیونکہ غالباً ان کے نزدیک دنیا میں ابھی تک ایسی کوئی ملک نہیں ہے جو مطلوب ”مرکز ملت“ کی حامل ہو اور اسے بدلے ہوئے حالات کے مطابق قرآن حکیم کی زبان تصور کیا جاسکے۔

جو دیانتداری کے ساتھ چاہتے ہیں کہ یہاں شریعت اسلامیہ نافذ ہو، بد قسمتی سے ان

کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہاں تعبیر تو "کی ضرورت ہے۔

تعبیر نوے مراد اگر عصری قانونی زبان "میں بیان کرنا ہے تو چشم ماروشن دل ماشاد" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب وسنت میں جو احکام آئے ہیں ان میں سے بعض کا ردے سخن اور خطاب "اس صورت حال سے نہیں ہے جو درپیش ہے تو بھی بسم اللہ! مگر غور فرمایا جیے! اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر یہی سہی لیکن یہ یاد رہے کہ اس مرحلے پر پھر بھی آپ کو تشریح کی اجازت نہیں ہوگی، اس کے لیے بھی آپ کو قرآن وحدیث کے دوسرے متعلقہ نظائر کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔ اب یہ بتانا ہوگا کہ اس پیش آمدہ صورت کا حل فلاں حکم میں پایا جاتا ہے اور دونوں میں پورا پورا تطبیق پایا جاتا ہے۔

اگر تعبیر نوے سے ان کی غرض یہ ہے کہ دنیا کافی آگے نکل گئی ہے، حالات بہت بدل گئے ہیں، وقت اور زمانے کے نئے تقاضے پیدا ہو گئے ہیں، لہذا ان میں حکم واضافہ اور ترمیم ہوجانی چاہیے تو پھر بسم اللہ نہیں، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔

اس کا حق ہما شاکر تو کیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ ذات گرامی ان میں سے کوئی شوشہ بدل ڈالے یا ان میں کوئی ترمیم فرمائے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تشریح کا حق تفویض نہیں ہوا بلکہ ان کی تمہیدیں اور تشریح کا فریضہ آپ کو تفویض ہوا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا لَكَ السَّبْحَ كَوْنُ لِنَا فِي مَا نَزَّلَ اَلَيْهِمْ دِيْلًا - (نحل ۷)

"اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت) کے لیے نازل کیے گئے ہیں آپ وہ ان کو سمجھا دیں۔"

جن امور میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ بھی آپ ان کو کھول کر بتا دیں۔
وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لَيَسِّيْنَ لَهُمُ الَّذِي اُخْتَلَفُوْا فِيْهِ (پک - النحل ۷)
"اے پیغمبر! ہم نے آپ پر کتاب اس غرض سے اتاری ہے کہ جن امور میں وہ اختلاف رکھتے ہیں آپ ان کو وہ بھی سمجھا دیں۔"

یہ ایک اصولی بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، تشریح کے بجائے تشریح اور "تعیین" پر مامور ہیں، جہاں تک امت کا معاملہ ہے وہ صرف آپ کا اتباع ہے، اس کی کھڑے میں پڑنے کی ان کو ضرورت نہیں ہے کہ ان میں سے کونسا حکم تشریحی ہے اور کونسا تشریحی "کیونکہ

آپ کے باب عالی سے جو بھی شے ملتی ہے، ہمارے لیے وہ سب شریعت ہے۔ کیونکہ پیغمبر خدا حق تعالیٰ کی پسند اور منظوری کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۴)

”آپ اپنی خواہش نفس کی بات نہیں کرتے، یہ سب وحی (الہی) ہے جو ان کو وحی کی جاتی ہے جب بعض اوقات وحی کے آنے میں دیر ہو جاتی تو آپ سے کہا جاتا کہ خود ہی کچھ انتخاب کر کے کیوں نہیں لاتے تو آپ فرماتے: یہ میرا کام نہیں ہے۔

وَإِذَا كُنْتُمْ تَأْتِيهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا كَذَلِكَ لَدُنَّا أَمَّا اتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ رَأَيْتُ مِنْ رَبِّي رُبِّي - (الاعراف ۱۸)

”اور جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو کافر آپ سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے خود کچھ انتخاب کر کے کیوں نہیں لاتے؟ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے میرے رب سے ملے۔“

جدید تعبیر نو کا مطلب جب آپ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔
وَإِذَا سَأَلْتَهُمْ آيَةً سَبَيْتُ قَالُوا لَنْ نَبْرَأَ لَكَ شَيْئًا قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ آلِ يُسُفَٰفَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلِئَلَّنَا لَتَفَتًا لِّآيَاتِهِ أَتَدْعُنَا لِلْعُدْوَانِ وَالْفِتْنَةِ وَسَبْأٍ مُّؤْتَىٰ لِّفِتْنَةٍ وَمَتَدَّ عَلَيْنَا آدَامُ السُّفْهِانِ أَمْ نَدْعُهُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمُ آيَاتُ رَبِّهِمْ أَنْ يَبْعُتْ بِهِمُ يَدْعُونَ إِلَّا لِيُفْتِنَ بِهِمْ لَوْلَا رَبُّنَا كُنَّا سَمَكًا مُّذْجًى يَنْجَلِ (یوسف ۱۰۱)

”اور جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر نہ جاتے ہیں تو جن لوگوں کو (میں نے) پیچھے) ہمارے پاس آنے کا (ذرا سا بھی) کھٹکا نہیں وہ آپ سے فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے بجائے اور قرآن لے آؤ یا اسی میں (کچھ) رد و بدل کرو، آپ (ان سے) فرمائیں کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں (کسی قسم کا بھی) رد و بدل کر دوں، میری طرف جو وحی آتی ہے تو میں اسی پر چلتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ غور فرمائیے! رسول خدا اسلام کے جن مقررہ احکام اور مضامین کے سلسلے میں کسی بھی تعبیر نو سے برأت فرماتے ہیں اور پھر خوف خدا سے لڑا اٹھتے ہیں، اس بات کو ہم نے کس بے دردی کے ساتھ اپنا ایک عام معمول بنا لیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ اس فرق کو نہیں سمجھے، مصنوعی حالات کو قدرتی حالات پر لا کر اسلام کے تابع بنانا مناسب ہے یا قرآن و حدیث کو بدل کر غیر قدرتی اور مصنوعی حالات کے

تابع بنا دینا؟ جہاں تک قدرتی تغیرات کی بات ہے، اسلام ان کا احترام کرتا ہے، اور ان اختلافات کے لیے متبادل احکام بھی خود ہی مہیا فرماتا ہے، بہر حال حالات کو اللہ تعالیٰ بندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا کیونکہ جب کسی کو یہ اختیار مل جاتا ہے تو عوامی مفاد سے بے نیاز ہو کر جس طرح وہ ہمارے حالات کو اپنے مفاد اور کرسی کے تابع کرنے کے لیے "ترمیموں" کے انبار لگا دیتا ہے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب یہ فارمولہ طے کر کے یہ شاطر یا اسلام کے یہ نادان و درست پھر حالات پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ مسلم اس نکتے کے مضمرات کا وقت پر احساس کریں۔ اس سے بھی پہلے کہ تیر ہاتھ سے نکل جائے۔

ملک میں اس وقت ایک مختصر سی جماعت ہے جو اس امر پر مصر ہے کہ اسلام من و عن اور پوسے کا پورا اور پورا فلسفی تعبیر کے ساتھ نافذ ہونا چاہیے۔ وہ اس امر سے بھی سخت مضطرب ہے کہ دنیا تعبیر نو کا نعرہ ایجا کر کے، خدا کو سمجھانے اور حقے دینے کی نئی طرح ڈال کر اسلام کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہتی ہے جو اہل کتاب نے صحف سماوی یا اپنے انبیاء کی زندگیوں سے کیا تھا یا جس طرح طبع زاد مانگے لگا کر اس کو نوشتہ خدا بنانے کی انھوں نے راہ ہموار کی تھی، نادان و درست چاہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ بھی انہی راہوں پر چلے کہ ہمیشہ کے لیے اپنی منزل کھودے۔ یہود و نصاریٰ کی تعبیر نو کے کسی ایک نمونے قرآن نے بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ اپنے ہاتھ سے ترمیمیں مرتب کرتے پھر اسے "نوشتہ خدا" بتاتے۔

قَوْلُ الَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (پ۔ بقولہ)
اس تعبیر نو سے ان کی غرض یہ تھی کہ دنیا کا کوئی دھندلا پورا ہو!
يَكْتُبُوا بِهِ ثُمَّ لَا قِيلَ (ایضاً)

فرمایا یہ "تعبیر نو" اور جعلی نوشتہ "خدا" ان کو خاصا مہنگا پڑے گا۔

قَوْلُ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَذِيلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْتُبُونَ (ایضاً)

دوسرا یہ کہ عبادت میں بھی ترمیمیں کیا کرتے تھے اور عمداً کرتے تھے تاکہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق آیات تورات کی تعبیر نو کا اتمام ہو سکے۔

وَقَدْ كَانَتْ قَبْلُ مِنْهُمْ يُسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقولہ ع)..... يَعْرِفُونَ أَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ مَا ضَعَفَ (پ۔ مائلہ ع)

ان کو ایک یہ روگ بھی لگ گیا تھا کہ دوسری اقوام کی باتوں سے مرعوب ہو جاتے تھے

اور ان کی سن کر اپنے ہاں بھی ترمیموں پر آتے تھے۔

وَمِنْ آيَاتِنَا هَٰذَا ۖ سَمِعْتُمْ لَكَذِبَ سَمِعْتُمْ يَقُولُ مَآ أَقُولُ لَكُمْ مَوْفُوتَ
الْكَلِمَ مِنْكُمْ مَرَّضِعَهُ رِبِّ - مائدا ۵۷

”اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں (اور) لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو (ابھی) آپ کے پاس نہیں آئے (احکام تورات کے) الفاظ کو ان کے ٹھکانے سے بے جگہ کہتے ہیں۔
اگر ان محرف اور ترمیم شدہ آیات اور احکام کے خلاف حکم ملتا تو ان جاننے والے نہ قبول کر لیتے،
کیونکہ وہ بہت ہی روشن خیال بنتے تھے۔

يَقُولُونَ اِنْ اَوْفَيْتُمْ هَٰذَا اِحْدُوكَ وَاِنْ لَمْ تُؤْتُوْكَ فَاِحْدُوكَ رِبِّ - مائدا ۵۸
”اور کہتے ہیں، تمہیں یہ حکم ملے تو مانو اور یہ نہ ملے تو بچو!“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آپ ان متجددین کی پرواہ نہ کریں، آپ کو جو حکم ملا ہے بعینہ نافذ
کر دیں، اور ہشیار رہیں کہ وہ آپ کو تھوڑا بہت ابتلا میں نہ ڈال دیں۔
قَاتِلْهُمْ بَيْنَهُمْ يَسْأَلُكَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اِنْ يَفْقَهُوْكَ
عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللَّهُ اِلَيْكَ رِبِّ - مائدا ۵۹

”جو کتاب (خدا نے) آپ پر اتاری ہے اسی کے مطابق ان لوگوں میں فیصلہ کریں اور اور ان کی
خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور ان (کے داؤ گھات) سے ڈرتے رہیں کہ جو کتاب (خدا نے) آپ پر
اتاری (مبادا) اس کے کسی حکم سے یہ لوگ آپ کو بھٹکا دیں“

فرمایا اگر آپ سے یہ لوگ فیصلہ چاہتے ہیں تو آپ کسی ممانعت یا جہت کے بغیر ٹھیک ٹھیک
فیصلہ سنائیں۔ اگر وہ بگڑتے ہیں تو بگڑنے دیں وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔
فَاِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَطَٰٓءَتِ قُلُوبُهُمْ فَلَنْ يَصْرُوْكَ
شَيْئًا ۚ خَلَّٰتْ حَكَمْتَ فَاَحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ رِبِّ - مائدا ۶۰

تو اگر وہ آپ کے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرمائیں یا ان سے اعراض کریں (آپ کو اختیار
ہے) اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں گے تو بھی وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ان میں فیصلہ
فرمائیں تو انصاف سے فیصلہ فرمائیں۔

الغرض تعبیر نو بایں معنی کہ قرآن و حدیث کی سلفی تعبیر اور تشریح سے مختلف کوئی بات
ہے تو ہمارے نزدیک وہ دین نبی اور قرآن کے خلاف ایک سازش ہے اور بالکل ویسی
حماقت ہے، جیسی اہل کتاب نے اپنی اپنی کتابوں اور نبیوں کے سلسلہ میں اختیار کی تھی، اگر ۱۵

۱۵ ایک دفعہ اس تعبیر نو نے اس میں راہ پائی تو پھر یقیناً جیسے اکتاہٹ و نفرت کے سنگرز کے لیے کھنڈیوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔

وحدت ہو فنا جس وہ الہام بھی الحاد اولیٰ کہ عذاب الیم

وَلَا تُكْرَهُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ دُولِيكُم
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران: ۹۰ - ۹۱)

ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور واضح حقائق کے بعد باہم اختلاف کر لیا۔ ان کے لیے آزار دہ عذاب ہے۔

ایک مفہیم تو اس کا یہ ہے کہ جو لوگ واضح آسمانی ہدایات کے برعکس اپنی من مانی کرتے رہے، جدھر جی چاہا رخ کر لیا اور ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ علیحدہ مسجدیں بنا کر ملی وحدت کو پارہ پارہ کیا، تم بھی انہی کی راہوں پر نہ پڑ جانا۔ یہ وہ صورت ہے جس میں فتنہ پرستوں کو ”حق“ سے وابستگی کا دایمہ ضرور لگ جاتا ہے، لیکن وضوح حق کے باوجود وہ اپنی روش پر نظر ثانی کی توفیق سے محروم ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے لیے مینات اور حقائق کے بجائے اویام اور دین آباء میں زیادہ کشش ہوتی ہے اس لیے پوری ملت کے بحر بے کنار سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ فتنہ کی جوئے ٹنگنائے پر نہ صرف فتنے بلکہ اس کا ریلے خیر کو کار خیر بھی تصور کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے پوری ملت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر ذلیل و خوار ہو جاتی ہے، مگر اس کا ان کو احساس نہیں ہوتا۔ یہ صورت بدنیتی سے زیادہ ذوق دہوش کی کمی اور علمی کم مائیگی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ ان کے تفرقہ اور جماعتی پراگندگی کا محرک دلائل و براہین یا حق کا دایمہ نہیں ہوتا بلکہ نجی مخالفوں کے خلاف رد عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کی اسی حماقت یا کمزوری کا یوں ذکر کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بُيِّنَهُمْ رِپَا
(بقدرہ: ۶)

”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہی (لوگ) اپنے پاس واضح احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے لگے باہم اختلاف کرنے“

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ بِالْحُكْمِ بَغْيًا بَيْنَهُمْ رِثَ (العنبر۴)
”اور اہل کتاب نے جو مخالفت کی (حق بات) معلوم ہونے کے بعد (کی اور) آپس کی ضد سے (کی)“

یہ دونوں صورتیں گواہ ایک ساتھ چلتی آرہی ہیں تاہم مؤخر الذکر صورت تے بالخصوص زیادہ ترقی کی ہے یعنی نام نہاد جمہوری دور سے مخالفت برائے مخالفت ”کو نہ صرف آئینی تحفظ اور سرپرستی حاصل ہوگئی ہے بلکہ اس کو اپنا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے وسائل بھی جیسا کہ دیے گئے ہیں۔ دوسری اقوام کا اس سے کچھ بگڑا یا نہ، اگر بگڑا تو کتنا؟ یہ تو وہ جانیں لیکن جہاں تک ”قوم مسلم“ کی بات ہے، اس کے بعد اس کے پلے میں کچھ نہیں رہا۔ دین نہ دیا۔ عزت نہ طاقت، حال نہ مستقبل! کیونکہ اسلام میں تفرقہ کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ تفرقہ مذہبی نوعیت کا ہو یا سیاسی، کاروباری انداز میں ہو یا خائفی۔

اسلام میں تفرقہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ملت اسلامیہ میں ایک سے زیادہ ایسی اکائیاں جو ہر ایک بجائے خود امت ”کہلائے“ اپنے جداگانہ تشخص کے لیے ہر آئینہ مہر رہے اور علمی قسم کی چند جزئیات کو اساسی حیثیت دے کر ان کے گرد جمع ہو جائے، تفرقہ بازی اور فرقہ بندی ہے۔ قرآن حکیم نے اس ذہنیت کی سخت تردید کی ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی سے بھی آپ کا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔

اِنَّ السَّيِّئِيْنَ فَوْقَ مَا دِيْهِمْ وَكَانُوْا شَيْعًا لِّتَمَّتْ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ رِثَ (الانعام ۴)

”اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔“

اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ يُسَبِّحُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ لَا يُضَا

”ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے (کہ وہ خود ان کا حساب لے لے گا) چھوڑ دو کچھ کر توت کیا کرتے تھے (ان کا نیک و بد) ان کو بتا دے گا۔“

پیغمبر خدا امت کے رہنما ہوتے ہیں، فریق نہیں ہوتے، وہ تو اس لیے مبعوث ہوئے ہیں کہ دنیا میں ”دین توحید“ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کر دیں، توحید، ایک ہو کر ایک خدا کے گرد جمع ہو جانے کا نام ہے، جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ: جب مطلوب ایک خدا ہو تو پھر اس تک پہنچنے کے لیے

مختلف راہوں اور مختلف پگڈنڈیوں پر پڑ جانا مضر نہیں ہوتا، کیونکہ جب پہنچنا وہاں ہے تو پھر یہ اختلاف نقصان دہ نہیں رہتا، دراصل انھوں نے یہ باتیں کہہ کر افتراق اور انتشار رکھی راہیں ہموار کی ہیں، وہ غالباً مختلف پگڈنڈیوں کے خصائص، جداگانہ سفر کی نفسیات یا نتائج، آباد اور ویران راستوں کے امتیازات کو نہیں سمجھتے، مطلوب ایک ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ ہر راہ وہاں تک پہنچے بھی۔ یا پہنچتی ہو تو راہی کا یہ سفر غیر و خوبی سے طے بھی ہو جائے یا وہ بیدار ہی رہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سیکڑوں قافلے راستوں پر پڑ کر آفات کا شکار ہو کر مٹ گئے اور کچھ راستوں کے سچ و خم میں یوں کھو گئے کہ پھر ان کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ قرآن حکیم نے انہی بذعیبوں کے لیے ”فنائین“ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ بہر حال قرآن حکیم نے ان نادان ہرجائیوں کے اس فلسفے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ بزور اور با امر فرمایا ہے کہ جو راستہ ہم نے تجویز کیا ہے صرف وہی مجھ تک پہنچتا ہے اور اسی پر چل کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو اور ایک کارواں اور امت کی طرح ایک ہو کر یہ سفر اختیار کرو۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَفْزَعْ وَلَا تَفْرَقُوا (پ۔ ال عمران ۷)

”اور صبر مل کر مقبوضی سے اللہ کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جاؤ۔“
فرمایا اپنا ماضی اور اپنی تاریخ تمھارے سامنے ہے، پھر اس پر اچھٹی سی نگاہ ڈال کر یاد کرو کہ اس افتراق کا انجام کیا رہا، تمھاری مختلف پگڈنڈیوں کا نتیجہ کیا نکلا، اور ان پر پڑ کر تم کہاں سے کہاں پہنچے؟ پھر آخر ہم ہی نے تمہیں کیا کر کے گلے ملائے۔

وَإِذْ كُورُوا لِعَمَّتِ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (پ۔ ال عمران ۷)

”اور اللہ کا وہ کرم یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے دیری اور دشمن تھے، پھر اللہ نے (ہم) تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل (و کرم) سے بھائی (بھائی) ہو گئے۔“
فرمایا: یہ افواہ تو تمھارے کسی دشمن نے اڑائی ہے کہ: سفر حیات کا یہ اختلاف تمھارے لیے نقصان دہ نہیں ہے، دراصل وہ چاہتے یہ ہیں کہ: تمہیں منزل کا سراغ ہی نہ ملے اور ٹھوکریں کھا کھا کر تم ان بھول بھلیوں میں دم توڑ دو۔

وَدَدْتُ لَوْلَا فَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ كَوَيْضَتُكُمْ (پ۔ ال عمران ۷)

”اور اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تم راستوں میں ہی بٹھک کر رہ جاؤ۔“

جمہوری اقتراق سیاست فراغند ہے۔ افتراق اور انتہا رکاز فلسفہ فراغندہ کی ایجاد ہے۔ کیونکہ جن ارباب اقتدار کی زندگیاں مجاذب اور مبارک اقدار حیات سے خالی ہوتی ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ان کو نہ دیکھیں بلکہ ایک دوسرے کی کمزوریوں کی ٹوہ میں پڑے رہیں، ایک دوسرے کو ہی کوستے رہیں اور ایک دوسرے کے خلاف چرٹھ دوڑنے کو ہی جہاد اکبر تصور کرتے رہیں، ہر حال فرمایا فرغند نے رعایا کو کمزور رکھنے کے لیے ان کو الگ الگ راستوں پر ڈالا، پھر انھوں نے ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے بچوں کو بھی ذبح کر ڈالا تو وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيْعًا لَا يَسْتَصِفُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْجِي نِسَاءَهُمْ (پہ۔ القصص ص ۷)

”واقعہ یہ ہے کہ فرعون سرزمین (مصر) میں بہت سرکش اور گردن فراز ہو گیا تھا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا دیا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے کے لیے ان کے بیٹوں کو ذبح کروا دیتا اور ان کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا۔“

اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ یہ اسرائیلی اس کے سامنے چوں بھی نہ کر سکیں، اس کے لیے اس نے جو طریقہ سوچا، اسے فرعون کی اولیات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی افرادی قوت پر ضرب لگائی جائے، چنانچہ اس نے ان کے لوگوں کو ذبح کرنا شروع کیا، اس ایک تیر سے بھی اس نے دوشکار کیے، ایک ان کی عددی قوت ختم کی، دوسرا ان میں خوف دہرا س بھی پھیل گیا، جس کی وجہ سے وہ واقعہ چوں بھی نہ کر سکے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ: اب ان کو اپنا غلام بنانا آسان ہو گیا، جب کوئی قوم اپنے اندر غمخوئے غلامی کے لیے سازگاری پیدا کر لیتی ہے تو پھر وہ قوم آقاؤں کی خاک پا کو بھی اپنے لیے سرمہ سیما فی تصور کرنے لگ جاتی ہے، ان کی آنکھوں سے دیکھتی ہے، ان کے کانوں سے سنتی ہے، ان کی زبان سے بولتی ہے۔

”ناکس نگوید بعد از میں دیگرم تو دیگر می

فراغندہ کی اس بدوریافت کے بعد دنیا بتدریج اس شیخ پر پہنچی کہ: ملک اور قوم میں مختلف طبقات اور باہم مخالف گروہ نہ صرف وہ برداشت کر سکتی ہے بلکہ اگر وہ باہم رہیں پیکار بھی ہوں تو بھی وہ اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی، واقعہ یہ ہے کہ اس سے سیاسی سن سو کی اصل غرض یہ تھی کہ لوگ باہم الجھے رہیں گے اور وہ خود بندر بانٹ کے منغصب پر فائز رہیں گے

لیکن وہ کچھ زیادہ عرصہ میں پردہ نہ رہ سکے، اس لیے جب اس سر دغا نہ جنگی میں قوم نے موضعہ مگر مکہ کو رس کئی تکمیل کرنی تو اب اس کے بیابک ہاتھ حکمرانوں کے گریبانوں کی طرف بھی بڑھنے لگے۔ اس پر ان بد نہاد سیاستین نے ایک نیا پینٹر بدل کر قوم کو زبان اور قلم کی آزادی اور جمہوریت کی نوید سنا کر ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

ملی افتراق سیاستین سو کی سیاسی ضرورت ہے۔ زبان و قلم کی آزادی اور جمہوریت کی باتیں، صرف باتیں ہیں، اس سے ان کی اصل غرض یہ ہے کہ: اقتدار کی ہڈی اور مردار پر کسی طرح یہ سیاسی گدھیں ٹوٹ پڑیں، باہم سر پھٹول ہوں اور ایک دوسرے کا گوشت نوشیں تاکہ ان کو اپنی پڑجائے، اور تہی دامن سیاسی شاطروں کا ان کو ہوش نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جو لوگ ساری خرابی کے ذمہ دار تھے انھیں ان لوگوں نے اپنی آنکھوں پر بٹھالیا۔ آپ اقوام و ملل کی اندرونی تخریب، ملی انتشار اور افتراق کا جب مطالعہ کریں گے تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس کے پس پردہ سیاسی اغراض کا ہی ہاتھ رہا ہے کیونکہ ملک کے اندر طبقاتی کشمکش، بد اعتمادی اور گروہی چپقلش، انتشار اور افتراق سیاستین سوء کی ایک ایسی سیاسی ضرورت ہے جس کے بغیر ان کا زندہ رہنا محال ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ جب بائیس ہی کھیت کو کھانے لگ جائیں تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ — قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل آیت میں اسی قماش کے سیاستین سو کو ان کو قرآن زبان میں منافقین کا نام دیا گیا ہے) کا ذکر فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قُلُوبِهِ
وَهُوَ لَكُمُ الْخَصَمُ ۚ فَبِذَا ذُكِّرُوا لَا يَسْمَعُونَ فِي الْأَرْضِ يُعْجِبُ فِيهَا وَيَهْدِكُمُ الْحَرَّتَ وَالنَّسْلَ (پ۔ البقرہ ۷)

”اور (اے پیغمبر!) بعض شخص ایسا بھی ہے جس کی باتیں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے مافی القیمر پر خدا کو گواہ بھی ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ (آپ کے) دشمنوں میں (سب سے) زیادہ جھگڑالو ہے۔ جب آپ سے واپس جاتا ہے تو اس تک و دو میں لگ جاتا ہے کہ (خدا کی) زمین پر خدا برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو تلف کرے۔“

اس کا یہ پہلو اور بھی شرمناک ہے کہ اس ذہنیت، کردار اور قماش کے لوگ یہ مکروہ و عندا تو خود کرتے ہیں لیکن اس کا الزام انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں اور وارثوں کو دیتے ہیں۔
وَقَالَ الْمَلِكُ مِمَّنْ قَوْمٌ فَرَعَوْنَ أَتَدْرُسُونَنِي وَقَوْمَهُ لِيُفْسَدُوا فِي الْأَرْضِ

رچ۔ (الاعراف ۷۱)

”قوم فرعون کے اراکین نے (فرعون سے) کہا کہ کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں فساد برپا کرتے پھریں؟“

بندہ مسلم کی تبلیغی مساعی پر چلیں جسبیں ہونا اور ان کو کرسی اور اقتدار کا بھوکا قرار دینا تو ان کا عام دستور جلا آرہا ہے اور تا آخر چلتا جائے گا۔

قَالُوا لَنْ هَذَا نَسْهَوْنَ يَوْمَئِذٍ اَنْ يُخْرِجُكُمْ فِرْعَوْنُ اَوْ ضَلَّكُمْ بِسِحْرِهِمْ اَيُّهَا بَطَرُيْقَتِكُمْ اَلَمْ تَشْكُرُوا (پتہ - طبع)

”سب نے کہا کہ ہونہ ہو یہ دونوں (بھائی) جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو ملک سے نکال باہر کریں اور پھر وہ تمہاری شرف و عزت کی روایات پر قابض ہو جائیں“ اس پر ہم اس تماش کے لوگوں سے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ان کی جماعت کے رکن بن کر نکلو۔ سخریہ کاری کی اس سے بڑھ کر بھیانک مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ: اپنی قوم کے بہتر حصے بخرے کر کے، ان کو باہم بڑانے کے سامان کوئے پھر ان کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے بازاری اور ذلیل متھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں؟ یہ ید نہاد لوگ یوں بھی منصوبے بنایا کرتے ہیں کہ بھائی اس پارٹی میں آج شمولیت اختیار کر لو اور کل کانوں پر ہاتھ رکھتے اور شور مچاتے ہوئے یہ کہہ کر نکل آؤ کہ اوفو یہ تو بہت گھٹیا لوگ ہیں، دیکھنے میں بڑے بھولے بھالے اور بزرگ ہی بزرگ مگر اندر جا کر دیکھا تو گرگ ہی گرگ۔

قَالَ لَوْ كُنَّا لَفَقَةً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَمِنَّا بِاَللّٰهِ اَنْ يُّنْزَلَ عَلٰى الْاَنبِيَاءِ اَمُوءًا جَلُوسًا مَا كُفِّرُوا بَاٰخِرَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (پتہ - آل عمران ع)

”اور اہل کتاب کا ایک گروہ (اپنے لوگوں کو) سمجھاتے ہوئے کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، صبح کو اس پر ایمان لے آؤ اور شام کو اس کا انکار کر دیا کرو، شاید اس تدبیر سے وہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔“

دیانتدارانہ اختلافات کے یہ عنوان نہیں ہوتے، ایسی حرکتیں دہی لوگ کرتے ہیں جو معاملات کی حد تک بدنیت ہوتے ہیں، یہ بازاری انداز کسی ایسے شخص کا نہیں ہو سکتا جو ملک کا ہی خواہ اور شریف شہری ہو سکتا ہے۔

یہ اسلوب حیات کفار کا ہوتا ہے کہ بظاہر ایک نظر آئیں اور باطن میں پارہ پارہ ہوں۔

تَضَبُّهُمْ حَيْثُ مَا دَعَوْا بِهِمْ شَتَّى (پ۔ حشر ع)

”ان کے ظاہر حال کو دیکھیے تو ان کو سمجھے کہ سب ایک ہیں حالانکہ (باطن میں) ان کے دل (ایک دوسرے سے) بچھے ہوئے ہیں“

کفر ایمان اور عمل صالح کی اس اساس سے غالی ہوتا ہے جس کے بعد انسان ظاہری رکھ رکھاؤ کا محتاج نہیں رہتا، لیکن اہل ایمان ابجد اللہ اس غلا اور کمزوری سے پاک ہوتے ہیں اس لیے اس تصنع اور تکلف سے بھی یہ لوگ مبرا ہوتے ہیں جس کے بغیر اہل کفر کے لیے سینہ تان کر چلنا دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ بد طینت غیر مسلم ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ وہ تمہیں بھی انہیں راہوں پر ڈال دیں، جن پر چل کر وہ منزل کھو بیٹھے ہیں۔

وَدَّكَ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَكُوثِ لَوْ يَصِلُوا نَكْمُ (پ۔ ال عمران ع)

”اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ایک گروہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ کاش! (کسی طرح) وہ تم کو بے راہ کر دیں۔“

تمہیں مسجدیں بنا کر دیتے ہیں کہ تمہارا اعتماد حاصل کر کے تمہیں پھانسی لگیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَرِضًا دَائِمًا حَازَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، مَن قَبِلَ فَلْيَعْلَفَنَّ إِنَّ أَزْدُنَا أَكْثَرُ الْحَسَنِ ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (پ۔ التوبة ۱۳۷)

اور ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں اور انکار (وجوہ کی راہ ہموار) کریں اور مسلمانوں میں بھڑک ڈالیں اور ان لوگوں کو پناہ دیں جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے لڑ چکے ہیں اور (مسجد کی تعمیر کا سبب پوچھا جائے گا تو) تمہیں کھانے لگیں گے کہ ہمارا تو صرف نیک ارادہ ہے (لیکن) اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ کار خیر نہیں، شیطانی ہتھکنڈے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، ایسے کام جو ملی وحدت اور خوشگوار تعلقات پر اثر انداز ہوں، وہ بھلے کام نہیں ہو سکتے انہیں شیطانی کارت نیاں تصور کیا کیجیے!

قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَخَوَّيْتُمْ أَن يُخْرِجَ بَيْنَهُمْ (پ۔ بنی اسرائیل ع)

”اے پیغمبر! ہمارے بندوں کو سمجھا دو کہ (خافین سے) بات کہیں بھی تو ایسی کہیں کہ (اخلاقی اعتبار سے) بہتر ہو کہ نہ کہ شیطانی (نا مناسب بات کہلو اگر) آپس میں فساد برپا کر دیتا ہے؟“

فساد فی سبیل الجمہورت

یہاں بگڑی اچھلتی ہے اسے مینجانہ کہتے ہیں

۱۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَإِنِّي كُنتُ دُؤُوسًا ذَاتَ الْبُسَيْنِ فَإِنَّمَا الْخَالِقَةُ (رواه الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لوگوں کے درمیان بھوٹ ڈانے اور بد اعتمادی پیدا کرتے سے پرہیز کرو! کیونکہ یہ (بات دین ایمان کا نوڈ کو صفا چٹ کر دیتی ہے“

ایک اور روایت میں ہے:

۲۔ رَبِّ إِلَيْكُمْ دَآءُ الْأُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمْ، الْمَسَدُ وَالْبَعْضَاءُ هِيَ الْخَالِقَةُ، وَلَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الْبَدَنَ (رواه الترمذی)

”پہلی قوموں کا مرض آہستہ آہستہ تھری طرف سرکتا آ رہا ہے یعنی (۱) حسد (۲) اور ایک دوسرے کے خلاف بد اعتمادی اور کینہ، وہ مرض مونڈنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو صفا چٹ کر دیتا ہے“

کم سوا و سیاسی نادان۔ باہم بد اعتمادی، ایک دوسرے سے علق غذا کو متنفر کرنا، مکر وہ ہتھکنڈوں کے ذریعے کسی جماعت اور ملکی طبقہ کے خلیفہ نضامیں بر بھی پیدا کرنا، اپنی قوم کو افتراق اور انتشار میں مبتلا کر کے اپنی دکان چمکانا، دین نہیں، دین کش پالیسی ہے۔ جو لوگ اس چمکے پڑے ہوئے ہیں، ان کو یہ چمکا حد درجہ مہنگا پڑے گا۔ خاص کر دور حاضر کے سیاستدانوں کو اس کا ر بے خیر کا جتنا اور جیسا کچھ حساب دینا پڑے گا، اس کا وہ اب اندازہ نہیں کر سکتے، بلکہ انھیں جب اپنی ایک تقریر، ایک دورہ اور اپنی شادرتی کونسل کے صرت ایک اجلاس کی کارروائی کے حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ ان کی عمر بھر کی ساری ملٹی صرت ایک

ہی کھاتہ کی نذر ہو گئی ہے کیونکہ "ملت اسلامیہ" میں تفریق کے سامان کرنا، شرک کے بعد سب سے بڑی مصیبت ہے، قبیح شہازہ کا خون، بھرے مجمع میں مسلم بھائیوں کی غیبت، ایک دوسرے کے خلاف بد اعتمادی، اپنے ہی معاشرہ میں کشیدگی کا اتمام، غلط انکشافات، جھوٹے الزامات اور شک و شبہات کی ریل پیل، ان کی ہر تقریر کا تانا بانا، ان کی ہر نشست کا طول و عرض اور ان کی ہر گفت کا حاصل بنتا ہے۔ — باقی رہی ان کی خیر کچھ باتیں؟ تو وہ عموماً اخلاص پر مبنی کم ہوتی ہیں بلکہ صرف عوام کا استحصال کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ ایک آدھ جماعت کے سوا یا کچھ افراد قطع نظر عام طور پر اس حرام میں باقی سب ہی تنگے ہیں۔

مذہبی جنونی۔ ان سیاسی سونے کے بعد دوسرے نمبر پر جن کا نام آتا ہے وہ مذہبی اور روحانی پیشواؤں کا گروہ ہے، لیکن ان میں اکثریت ان رہنماؤں کی ہوتی ہے جو گروہ مذہبی جنونی ہوتے ہیں تاہم عموماً نیک نیت ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ ضرور بھول جاتے ہیں کہ اس کے باوجود وہ تفریق بین المسلمین کے مجاز نہیں ہیں اور ان کو اس امر کا بھی ہوش نہیں رہتا کہ وہ یہ حق نہیں رکھتے کہ بعض مسئلوں کے نام پر وہ ملی وحدت پر بوجھ نہیں یا وہ اس کا خون کریں۔

تیسرا طبقہ پریس کے نمائندوں اور صحافیوں کا ہے جو سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے کو کامیاب صحافت تصور کرتے ہیں، جب یہ مریں گے اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ قلم کے ہل چلا کر کیا برباد اور کیا کاٹا؟

بہر حال یہ وہ گروہ ہیں، جو ملت اسلامیہ کی شہازہ بندی کا اعزاز بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے بچے بھی ادھیڑ سکتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ بد قسمتی سے جمہوری دور نے ان تینوں کو اس کی کھلی چھٹی بھی دے رکھی ہے کہ، چاہیں تو وہ سارے عالم اسلام کو باہم متحد اور مربوط بنا ڈالیں، چاہیں تو ایک گھر کے چار افراد کو بھی ایک پیالہ میں پانی پینے کے قابل نہ رہنے دیں۔ جمہوریت کے پرستاروں کے ہاں اسی کا نام تحریر اور تقریر کی آزادی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کا نام آزادی ہے تو دنیا میں "تخریب" کا وجود اور کہاں ہے اور اس کی کیا شکل ہوتی ہے؟

صحیح، بجا اور حق بات کہنے اور کہہ سکنے کی آزادی کا نام تحریریت فکر ہے۔ ابلا اور اٹاپ ٹھاپ بکتنے اور بک سکنے کا نام نہیں ہے، بلکہ صرف حسب حال، حسب داعیہ، بر محل، اصلاح حال کا غرض ہے اظہار خیال کی اجازت ہے، بشرطیکہ ملت اسلامیہ کی جمعیت، اتحاد اور خوشگوار فضا اس سے غلط تاثر نہ ہو، اس لیے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ: بولنا ہے تو خیر کا کلمہ بولے ورنہ چپ رہے۔

ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليكتم (رواه البخاری و مسلم)

تبلیغ اور مخلصانہ تنقید و تبصرے بھی بالکل نہ چنے اور فتنوں کو ہوا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ آراء الطریقہ کی یہ ایک مبارک شکل ہے جس سے غرض، صورت حال کو کنٹرول کرنا اور پیش آمدہ معاملے کے سلسلے میں صرف صحیح رہنمائی مہیا کرنا ہوتی ہے۔

صحافت ایک عظیم سلسلہ روایت اور جرح و تعدیل کی ایک باضمیر اور دیانتدار ذمہ داری کا نام ہے مگر اسے یا رد دستوں نے یا رد بار یا گرد ہی قصبات کا نقیب بنا ڈالا ہے، جتنی یہ عظیم اکیر ہے، اتنی احتیاط اگر وہ ملحوظ رکھتے تو دنیا آج اورج ثریا پر فائز ہوتی، لیکن افسوس! رد دستوں نے اپنے مقام، شرف و منزلت اور ذمہ داریوں کا صحیح احساس نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتے تو اس سلسلے میں محدثین کی روایات اور تعامل کو زندہ رکھ سکتے تھے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ قلم کوئی دھندلا نہیں ہے، ایک روایت ہے، ایک دعویٰ ہے، ایک شہادت ہے، دل ہے، دماغ ہے، نگاہ ہے، جرح و تعدیل کا ایک دینی فریضہ ہے۔ جذبات اور احساسات کی زبان ہے، ضمیر اور دیانت کی بیباک آواز ہے، آخرت کی جوابدہی کا ایک احساس اور شعور ہے۔ محدثین کی دنیا اور ان کی روایات کا احیاء ہے۔ خدا کا واسطہ دے کر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہماری صحافت کی یہی زمین، یہی کائنات اور یہی آسمان ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر سوچ لیجیے جب آپ خدا کے حضور پیش ہوں گے تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ یہی ناکہ دنیا کسی کی بنی آخرت ہم بچتے رہے اور ثمنًا قلیلًا کے عوض؟ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے نزدیک تفریق بین المسلمین کے سامان سیاستین سوؤ کریں یا نادان علماء صحافی کریں یا مشائخ، وہ نیک نیتی سے کریں یا بد نیتی سے، بہر حال شرعاً حرام ہے اور یہ بات بھی ہم برملا کہتے ہیں کہ موجودہ سیاسی دور نے وحدتِ ملت کی حرمت کو اپنے لیے حلال کر لیا ہے، وہ اس کا خون پیتے ہیں، اس کا گوشت تناول کرتے ہیں، اس کی ہڈیاں چباتے ہیں، اور اس کا نام بچتے ہیں۔ اس سرے سے لے کر اس سرے تک ایک دوسرے کے خلاف آگ بجھکاتے اور لگاتے ہیں، اپنے ماسواہر دوسرے کو غدار، ملک کا باغی اور اسلام کا دشمن بتاتے ہیں، جس کی وجہ سے ملک کا ایک عظیم طبقہ باہم الجھ کر ملک و ملت کی تعمیر اور ترقی کی راہ میں منجب گراں بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر ملک پر کشیدگی کی ایک غیر فہتم فضا طاری ہو جاتی ہے۔

اسلام تنقید کا حق دیتا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ معاشرہ میں محاذ آرائی پیدا ہو جائے اور ملی وحدت مختلف طبقات اور اکائیوں میں بٹ کر رہ جائے۔ تنقید سے غرض، اصلاح حال ہوتی ہے، مزید بگاڑ نہیں ہوتا، جمہوریت کے نام پر جو دخل پیدا ہو گئے ہیں اور اس میں جماعتی کبڈی کے جو جو نمونے دیکھنے میں آ رہے ہیں، وہ ایک معقول اور شریف فرد سے بھی متوقع نہیں ہو سکتے۔ چربائیکہ ان حماقتوں اور ذلیل ہتھکنڈوں کو قومی سطح پر قومی کردار کا جزو بنا دیا جائے، بہر حال موجودہ جمہوریت دنیا کے اندر ایک ایسا میخانہ ہے جہاں شریفوں اور عظیم انسانوں تک کی گہری اچھلتی اور اچھالی جاتی ہے۔ اس جمہوریت کے ڈھونگ نے فساد فی سبیل الجہوریہ کو مقدس بنا کر جس طرح اس کا چلن عام کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، منافرت، محاذ آرائی، تخریب کاری، غیر مختتم کشیدگی، بدزبانی، استیصال پر مبنی فضا، ناقدری اور ناہنجاروں کی درآمد، اس جمہوریت کی غالتیں ہیں اور شرمناک سو غالتیں ہیں۔ جو قوم اس سے جتنی جلدی پیچھا چھڑائے گی، اتنی ہی وہ شرافت، شرفیاء قیادت، پرامن فضا، یکجہتی اور اطمینان سے بھگتا رہو گی۔

۳۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَمْرٍو وَاسْمَاءُ بِنْتُ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ..... وَبَشَارُ عِبَادِ اللَّهِ الْمَشَاوَنَ بِالنَّمِيمَةِ الْمَقْرُوءَةِ بَيْنَ الْأَجْبَةِ الْبَاغُونَ الْمُبْرَأَ لَعْنَتَ (رواه احمد)

بدترین لوگ۔ حضور نے فرمایا کہ..... اللہ کے بندوں میں بدترین بندے وہ ہیں لگائی بھائی جن کا شیوہ ہے اور جو دوستوں میں پھوٹ ڈالتے اور پاک دامنوں پر تہمتیں لگاتے ہیں؟

غور فرمائیے! پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ میں جو بدترین خلایق ہیں، وہ جمہوری سیاست میں، قوم کے سیاسی رہنما ہیں جو کردار اسلام میں، ذلیل ترین پیشہ ہے، وہ پارلیمانی نظام حکومت کی نگاہ میں، غلیظ سیاسی حکمت عملی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

النمیمہ۔ لگائی بھائی اور جوڑ توڑ وہ مکروہ ہتھکنڈ ہے، جب ان کے چہرے سے پردہ اٹھتا ہے تو اپنے اور پرانے سبھی لوگ ان پر پھٹکا کرتے ہیں۔ لیکن جب اسے کوئی سیاست دان اپناتا ہے تو وہ ہیرو بن جاتا ہے اور اسے اس کی داد دیتے ہیں کہ اس کے کیا ہی کہنے، یہ تو بلا کا سیاست دان نکلا ہے۔

المفروقون۔ اخراج اور انتشار کا فریضہ انتہائی شرمناک اور گھناؤنا فعل ہے لیکن اگر کوئی سیاسی شاعر اس سلسلے میں اپنے شاعرانہ جوہر دکھاتا ہے تو وہ دماغ ہونے لگ جاتی ہے۔

الباغوان۔ الزام تراشی اگر باپ بھی کرے تو دنیا اسے گردن زدنی تصور کرتی ہے، لیکن اگر کوئی سیاسی احمق یہ فریضہ انجام دیتا ہے تو اسے داد دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: کیا خوب! یہ تو بہت ہی نباض، ہوشیار و ذریک انسان ہے۔

ان تمام سیٹات کے اتمام کے لیے جمہوری حکومتوں نے ان کی جو سرپرستی کی ہے یا جس طرح اس کی حوصلہ افزائی کا فریضہ انجام دیا ہے اور اس کے لیے ان سیاسی تخریب کاروں کو وہ بٹنے اور جیسے کچھ وسائل مہیا کر رہی ہیں، وہ تنہا ان کی نااہلی اور بے برکتی کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ ان نام نہاد جمہوری اداروں نے قوم کو بد زبان اور اپنے ہی بھائیوں کا بدخواہ بنا کر رکھ دیا ہے، جو برسرِ اقتدار جاتا ہے وہ آکر اس کبرام کو اور دو آتشہ کر دیتا ہے۔ بہر حال انتہا بات اور ایکشن کے سلسلے کی ہموں، دوروں، تقریروں، بیانیوں، جملوں، مفہموں اور بے قابو نعروں کی وجہ سے پورا ملک "محشر کا میدان" بن جاتا ہے، زمین و آسمان زیر و زبر ہوتے دکھائی دیتے ہیں، نفسی نفسی کا عالم طاری ہو جاتا ہے، باپ بیٹے کا، بھائی بھائی کا، ماں بیٹی کی دشمن بن جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس انداز کی مشقیں، آدم خور مشقیں ہیں، جو افراد یا حکومتیں اس کی پشت پناہی کرتی ہیں وہ دراصل اتحاد و اتفاق کی جانی دشمن ہوتی ہیں۔ وہ سب قابلِ تفریاد لائقِ سزا لوگ ہیں۔

۴۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّالِحَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ (رداء الطہرانی والبخاری)

”خضر کا ارشاد ہے کہ دو دلوں کی باہمی کدورتوں کی اصلاح کرنا سب سے افضل اور

بہتر صدقہ ہے۔“

یعنی معاشرہ میں ”صلح، آشتی اور الفت“ کی کھیر بانٹنا، سب صدقات اور خیرات سے برتر خیرات اور صدقہ ہے۔ اگر اس کے برعکس کوئی شخص معاشرہ میں منافرت اور بد اعتمادی کے بیج بوتا ہے تو قوم سے سخت بے انصافی کرتا ہے۔ لیکن انہوں! ابن الوقت سیاستدانوں کو یہ بات قطعی سمجھ میں نہیں آتی، جب اٹھتے ہیں گپڑی اچھالتے ہیں، لوگوں میں منافرت پیدا کر کے ان کا استحصال کرتے ہیں۔

۵۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا مَدَحَ الْفَاسِقُ الْغَضَبِ الرَّبِّ وَاهْتَزَلَهُ الْعَرْشُ (شعب الایمان)

حضور کا ارشاد ہے کہ، جب فاسق (بازاری) شخص کی تعریف کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ غصے ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش (الہی) لرز جاتا ہے۔

دھکے کی سیاست کی وجہ سے یہ دن بھی دنیا کو دیکھنے پڑ گئے ہیں کہ جن بازاری اور فاسق لوگوں کو جیل میں ہونا چاہیے تھا، ان کے اب قصیدے پڑھے جاتے ہیں، قوم کا ان کو رہنما بنایا جاتا ہے، اور ان کی غلط کاریوں پر نہ صرف پردے ڈالے جاتے ہیں بلکہ ان کو ان کی داد بھی دی جاتی ہے، اور ان کے سلسلے میں ان کو ہدیہ تبریک بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ دراصل یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے یہ وہ وقت ہوگا جب تم اہل ایمان وقت کرتے تیغ کر کے کینوں کے لیے جگہ خالی کر دو گے۔

۶۔ عَنْ حَدِّثٍ يَقَعُ اللَّهُ لَعَالَى عَنْهُ، إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلُوا مَا بَيْنَكُمْ وَتَجْعَلُوا لِأَيَّامِكُمْ دَيْرًا وَنِيَابًا كَمَا نَسُوا حُرْمَتَكُمْ (ترمذی)

”قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کر دو گے اور اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کو مار دو گے اور یہاں تک کہ تمھاری حکومت کے وارث تمھارے بدکار اور بازاری لوگ ہوں گے۔“

یہ بھی فرمایا کہ، سب سے زیادہ اچھے تارے والا وہی کہلائے گا، جو خاندانی بازاری شخص ہوگا اس پھر قیامت قریب سمجھو۔

۷۔ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَمْعَدَ النَّاسِ بِالسُّدُنِ لِكُلِّ ابْنٍ كُفَّحٍ (ترمذی)

”یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ دنیا میں سب لوگوں سے اچھے تارے والا، پشتینی احمق اور بازاری شخص کو سمجھا جانے لگے گا۔“

دراصل یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ، اکثر بیت بازاری اور سلاطین آستانہ لوگوں کی ہے، اگر بھلے آدمیوں کی کثرت ہوتی تو یقیناً کسی بھلے آدمی کے ہی گرد جمع ہوتے، اس لیے جیسی جیسے ویسے فرشتے، بہر حال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاسق فاجر لوگوں کے دعاگوں کو قیامت میں شفاعت نصیب ہوگی نہ وہ میرے حرم کوثر کے نزدیک پھٹکیں گے۔

۸۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّ قَهْمُ يَكْذِبِهِمْ دَاعَا نَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوا مِنِّي وَكَسَتْ
مِنْهُمْ وَكُنْ تَكْرِدُوا عَلَى الْحَوْضِ (ترمذی)

”جوان کے پاس آنا جانا رکھیں گے، ان کے جھوٹ کو سچ کہیں گے اور ان کی بے انصافیوں میں
ان کی تائید کریں گے، وہ ہمارے، نہ میں ان کا، اور نہ وہ میرے پاس حوض کوثر پر آسکیں گے“
ان لوگوں سے بڑھ کر اور بد نصیب کون ہو سکتا ہے جو ان ذلیل اور بے خدا لوگوں کی دنیا بنانے
کے لیے اپنی آخرت بیچتے ہیں:

۹۔ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمِدٌ أَذْهَبَ إِحْرَاءَهُ يَدُ نَبِيٍّ غَيْرِهِ (ابن ماجہ)

”قیامت میں سب سے بدتر منزل میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کے بدلے اپنی
آخرت بیچ دی“

اگر عوام کو یہ بات سمجھ میں آجائے کہ ان سیاسی جواہروں کی مہمبری، اقتدار اور کرسی کے لیے
اپنے ایمان و ضمیر، آخرت اور غیرت کا خون کرنا قیامت میں حد درجہ کی رسوائی اور دردناک عذاب
کا موجب ہوگا تو ان جواہروں کو اپنے گاؤں سے ہی نکال باہر کریں۔

۱۰۔ عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
اَعْجَزْتُمْ إِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمُضْ لِأَمْرِي أَنْ تَتَعَلَّقُوا مَكَانَهُ مَنْ يَمُضِ
لِأَمْرِي (ابو داؤد)

”فرمایا: میں جب ایک شخص کو روانہ کروں اور وہ میرے حکم کا نفاذ نہ کرے کیا تم اس امر سے
عاجز ہو کہ اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مقرر کرو جو میرے حکم کا نفاذ کرے۔“

نئے انتخابات کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے، جب پہلا شخص کتاب و سنت کے نفاذ
میں قیل ہو جاتا ہے اور ناکام رہتا ہے، اور اب اس انتخاب کا محرک بھی یہ ارادہ اور جذبہ ہوتا
ہے کہ: ایسا آدمی آگے لایا جائے جو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات اور قرآن حکیم
کے احکام کی لاج اور شرم رکھ سکے۔ اس انتخاب کی کیفیت بھی یہ بیان کی گئی ہے کہ: اپنے سے
بہتر شخص کو دیکھ کر میدان خالی کر دیا جائے۔ اس کا مقابلہ کیا جائے نہ اس کے مقابلے میں کسی کو لایا
جائے! فرمایا: وَ عَلَى أَنْ لَا تَنْزِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ (بخاری و مسلم) یعنی یہ کہ: اہل شخص سے اٹھا
نہ جائے۔ ہاں اگر وہ کفر صریح کا مرتکب ہو تو پھر اور بات ہے، إِلَّا مَنْ كُفِرَ بَأَوْحَا
(بخاری)

یہ بات بھی حشر بردوش "انتخاب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہاں مقابلے کی بات خارج از امکان قرار دی گئی ہے، ان لانزار الامواہلہ (بغاری) بلکہ یہ سفارش ان لوگوں سے کی جا رہی ہے جو (۱) دیندار (۲) سیاسی لحاظ سے سمجھدار (۳) اپنی قوم میں معروف اور با اثر لوگ ہیں کہ وہ سرچرکریٹھیں اور اس کے لیے ایک مبارک شخص کا نام تجویز کریں جو انتظامی صلاحیت رکھتا ہو، جس کی آنکھوں میں خدا اور رسول کی شرم ہو اور وہ خوف خدا رکھتا ہو۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے شخص کی تشخیص سرلوگوں، چوراہوں اور بازاروں میں نہیں ہوگی اور نہ ہی اس سے درخواستیں طلب کی جائیں گی بلکہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس فوجی سربراہ اور چیف سیکرٹری کی موجودگی میں اور ان کے مشورہ کے ساتھ، ملک کے صالح، معروف، مقبول، غیر جانبدار اور اہل حضرات جمع ہو کر اس نشست میں ایک فارمولا بنائیں گے جو فرقرارانہ اور طبقاتی نقطہ نظر سے بالاتر اقدار پر مبنی ہوگا، پھر اس کی روشنی میں "شرکاء مجلس" اپنی اپنی معلومات کے مطابق اس کے لیے کچھ باصلاحیت اور باخدا حضرات کا نام پیش کریں گے، اس پر مناسب بحث و تحیث کے بعد "چیف جسٹس" اس کا اعلان کر دیں گے، جس پر رب سے پہلے فوجی سربراہ کے دستخط ہوں گے اس کے بعد چیف سیکرٹری اور دوسرے ارکان شورا ایسے دستخط کریں گے۔ جب یہ کلام اتمام کو پہنچ جائے گا، اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنی چودھراہٹ کے لیے بے چین ہوگا تو اس کو "توالز نزل" کیا جائے گا، کیونکہ اقتدار ملت کی طرف سے عطا ہوتا ہے، اسے مانگ کر حاصل نہیں کیا جاتا اور نہ وہ جس بازار سے۔

مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُبَيِّدْ أَنْ يَكُنْ عَصَاكُمْ أَوْ يُقَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ خَاسِرٌ مَثْوًى (رواہ مسلم)

» جب آپ ایک شخص پر جمع ہو جائیں، اس کے بعد کوئی اگر اگر اس کے بالمقابل اٹھ جھاتا ہے تو اسے ٹھکانے لگا دو! «

یعنی اب اسے کام کرنے دیا جائے، علانیہ یا زیر زمین ایسی تحریک نہ چلائی جائے کہ وہ کام کرنے کے بجائے ان کے دفاع میں ہی لگا رہے، لیکن نام نہاد جمہوری دور میں، ایک شخص کے انتخاب کے بعد بالکل اگلے دن اس کے خلاف جلسے، جلوس، تقریریں، محاذ آرائیاں اور خدا جانے کیا کیا حرکتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ "کے" اتنی بڑھتی ہے کہ اس سلسلے کی ہر تحریک کا کاروبار چھوڑ کر کھانے لگتی ہے اور اس کے خلاف ہر سازش "دعوت حق" بن جاتی ہے۔ نہ کھیلنے کے نہ کھانے کے۔

کا ایک سماں طاری ہو جاتا ہے کہ الامان و الحفیظ، بہر حال جمہوریت کے نام پر جو شرارتیں روا رکھی جاتی ہیں اور "فساد فی سبیل الجہوریت" کو جس طرح سیاسی عبادت کا درجہ دے دیا گیا ہے، ممکن ہے، دوسری اقوام کے ہاں اس کا کوئی مقام و مرتبہ ہو، بہر حال دین اسلام کی رو سے یہ ایک ایسی شیطنت ہے، جس کو قبول کر لینے کے بعد ایمان، سنجیدگی اور معقولیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ مغربی جمہوریت کے اس نکتے نے "کتاب جمہوریت" کو نوشتہ خدا "ایمان، نبی، حیا اور حق" کا درجہ دے کر دین نبی کی راہ میں سخت خشکات پیدا کر دی ہیں۔ اس لیے ہم اس بد نظام پر لعنت بھیجتے ہیں اور ان تمام اقدار کے خلاف جہاد کرنے کو شرعی جہاد اور فرض عین تصور کرتے ہیں۔ جن کی بنیاد پڑ جمہوری شیطان کا پھر برا لہراتا ہے۔ یہ کس قدر احمقانہ نظام سیاست ہے کہ جو بے شعورے لوگوں سے سیاسی شعور کی بھیک مانگنے کا درس دیتا ہے، جو بد اور بدکردار افراد کو قیادت کے لیے آگے آنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے، جو اجتماعی اور انفرادی امور کے ہر دائرہ کار کے لیے تو کچھ شرائط اور کچھ حدود رکھتا ہے لیکن ملک و ملت کی عظیم قیادت کے لیے اس کے ہاں کوئی قید نہیں ہے کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ وہ ہر ہتھیار بھرتو یا ہر بے حیا اور بے وقوف آدمی کو قیادت کے حصول کا حق بھی دیتا ہے، جس کی قیادت شیطان خیز، حیا سوز، اور تخریب ساز، جس کے دم قدم سے بد عملی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو، جن بد نصیبوں کے دل و دماغ کے خانے ملک و ملت کی تعمیر کے تصور سے غالی ہوں جو نہیں جانتے قوم کی امامت کیا ہے۔ جو نظام جمہوریت ایسے ناسمجھوں کو بھی قیادت کا حق دیتا ہے اس سے بڑھ کر بے غیرت احمقانہ اور انسان دشمن نظام اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ ایسے نظام سیاست پر نہ صرف جان چڑکتے ہیں بلکہ اس کو عین اسلام بھی تصور کرتے ہیں، ان سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے۔ ج۔ بریں عقل و دانش بیا بدگریت۔

شرح السنۃ للامام البغوی

تفسیر الخازن مع البغوی، الخازن مع النسفی، جامع البیان، احکام القرآن للعنقاوی، البرہان فی علوم القرآن للزکشی، منہل العرفان فی علوم القرآن، سیرۃ حلبیہ، الامامۃ والسیاست لابن قتیبہ، مروج الذهب، تیسیر الوصول الی علم الاصول، المستوی من احادیث الموطا ثبوت دلائل النبوة، الخصائص الکبریٰ والخاصۃ للسیوطی۔ تصانیف ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ۔

رحمانیہ دارالکتب، امین پور بازار فیصل آباد

ایک مجلس میں تین طلاقیں

ایک فاضل درست نے پوچھا ہے کہ،

اگر ایک میں نو مسلم میاں بیوی میں اتفاقاً ناچاقی ہو گئی، شوہر نے غصے میں اگر ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں، جب غصہ فرو ہو تو پچھتا یا، علماء کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: اب تھکے لیے رجوع کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ پہلے حلالہ ہو! یہ حال وہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہیں، اس لیے نہیں کہ یہ فتوے ان کے مفاد کے خلاف ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ اس میں معقولیت اور حکمت کی بات نہیں ہے۔

آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ قرآن و حدیث کی رو سے صحیح کیا ہے؟ (محمد ابراہیم منصورہ لاہور)

الجواب

صحیح یہ ہے کہ مذکور بالا صورت میں جدید نکاح کے بغیر عدت کے اندر رجوع کیا جاسکتا ہے اور عدت کے بعد کسی حلالہ کے بغیر وہ جدید نکاح کر کے اپنا گھر مکرر آباد کر سکتے ہیں۔

ایک ہی مجلس اور ایک ہی ٹائم میں تین طلاقیں کو مؤثر قرار دینا "عسر تنگی" ہے، لیبر (آسانی) نہیں ہے اور یہ حکمت دینی کے خلاف ہے اس طرح تو مؤثر طلاق کے لیے تین کی تعداد کا بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اگر ایک ہی زبان، ایک ہی مجلس اور ایک ہی ٹائم میں تین طلاقیں مؤثر قرار دی جاسکتی ہیں تو پھر تین کا نصاب مقرر کرنے کے بجائے ایک ہی طلاق کی چھری سے نکاح کی یہ طہنیں بھی آسانی سے کاٹی جاسکتی تھیں۔ آخر اس کے لیے تین کا نصاب کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ لا محالہ ہی کہنا پڑے گا کہ اس عدد میں کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہے اور وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ: فریقین کو سوچنے کے لیے مزید مہلت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں کو مؤثر قرار دینے کے بعد یہ مہلت غارت ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَنطَلَقَ مَوْتَانِ، فَمَا مَلَكَ مَعُوذُفٍ أَوْ تَسْبِيحٍ بِإِحْسَانٍ (پ۔ بقرہ ۲)

”طلاق دوبارہ ہے، پھر اچھی طرح سے اسے رکنا یا چھوڑنا ہے۔“

یہاں دوبارہ (مَوْتَان) کے معنی، ایک ہی زبان میں دوبارہ کہنا نہیں ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ وقتوں میں ایک ایک بار طلاق دینا، مَوْتَان ہے۔ چنانچہ فرمایا، ان دوسروں کے بعد اسب ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہیے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے یا رجوع کر کے حق ربات کو نباہ دینا مناسب ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَقْتُمُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ فَإِنَّ اللَّهَ رَبُّكُمْ لَا تُحَرِّجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَاشِيَةٍ مُبَيَّنَةٍ ذَلِكَ حَدُّ اللَّهِ وَهُنَّ يَتَعَدُّنَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَنَّمْتُمْ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِتُ لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا فَإِذَا بَلَغَتِ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِدُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَاشْهَدُوا وَأَنْتُمْ عَدْلٌ فَمَنْ كُنْتُمْ رَيْبَ - الطَّلَاقِ

”جب تم اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو عدت (کے وقت) پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، اور ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود گھر سے نکلیں الا یہ کہ وہ علانیہ بے حیائی (کا ازکاب) کریں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنا ہی برا کیا، تم نہیں جانتے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ (طلاق کے بعد لاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے پر آئیں تو سیدھی طرح ان کو اپنی زوجیت میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کر دو اور (جو کچھ بھی کر دو) اپنے میں دو معتبر گواہ بنا لو۔“

اگر طلاق دوبارہ یا تین بار ایک ہی مجلس میں ہو گئی تو کس نے گھر میں اسے رہنے دیا اور کون گھر میں رہی؟ اور آیت نے رجعت کے جس امکان کا ذکر کیا، وہ کب اور کہاں باقی رہا؟ آپ فرمائیں گے کہ اگر کوئی ان امور کی پرواہ نہ کرے تو پھر؟ پھر یہی ہو گا کہ وہ نجی حیثیت میں رہا ہے کہے لیکن سرکاری طور پر وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔ بہر حال قرآن نے جن قرآنی حکمتوں کو ملحوظ رکھنے کی آپ سے سفارش کی ہے خود اس کی خلاف ورزی کے لیے راہیں بھی کھلی ہونے لگی ہیں۔

ہاں دوبارہ ایک مبہم سا لفظ ضرور ہے جس سے ان مختلف اوقات کی تشخیص نہیں ہوتی جو

حکمت قرآنہ کے سامنے ہے۔ اس کے لیے ہم رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ خدائی منشا اور قرآنی اجمال کی تبیین اور تشریح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منجسب فرمائی ہے۔

عن سالم ان عبد الله بن عمرو اخبره انه طلق امراته وهي خائض فذكر
عمرو لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فتعيط فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم ثم قال ليوا جعها ثم يسكها حتى تطهر ثم تعيض فتطهر فان بدالها ان
يطلقها فليطلقها طاهر قبل ان يسها فتلك العدة كما امره الله (بخاری کتاب التمسیر
سورة الطلاق ص ۲۱، و ص ۲۲، وصحیح مسلم ص ۴۵)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اس کا ذکر کر دیا، آپؐ غصے ہوئے، پھر فرمایا اسے رجوع کر لینا چاہیے، پھر اسے اپنے پاس رکھے، یہاں تک کہ جب وہ پاک ہو جائے، پھر اسے ایام آجائیں اور پھر وہ پاک ہو جائے، اب اگر وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسے طلاق ہی دے ڈالے تو اپنے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے ڈالے، یہ وہ عدت (طلقون لعدتھن) ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔“

یعنی حیض کے دنوں میں طلاق نہیں دینا چاہیے تاکہ اسباب کراہت منتفی ہوں۔ پھر پاک کی دنوں میں اسے ایک طلاق دے ڈالے، اسی طرح پھر اگلے ظہر میں کرے۔ اس کے بعد چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے اب مزید سوچ لے، اگر اب بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خلاص ہونی چاہیے تو پھر طلاق دے ڈالے۔

”دو بار (تَوَاتُر) کا مفہوم واضح ہو گیا کہ یہ دو بار، دو ماہ ہیں یعنی ہر طہر میں ایک بار طلاق دے اور اسے گھر میں ہی رکھے۔ اسے بھی گھر میں ہی رہنا چاہیے تاکہ ہو سکتا ہے کہ پھر ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ دراصل اسلام جوڑے کے فراق اور مستقل جدائی کے حق میں نہیں ہے۔ جب تمام عین اور اصلاح حال کے سارے امکانات ختم ہو جائیں تو پھر آخری چارہ کار کے طور پر اسلام اس کو اس فیصلے کا حق دے دیتا ہے۔“

مند احمد میں ایک روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالی تھیں، مگر دے کر پھر پچھتا نے لگ گئے غصے، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ طلاق کس طرح دی تھی؟

کہا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالی ہیں حضور! آپ نے فرمایا تو پھر یہ ایک طلاق ہے۔ اگر جی چاہے تو رجوع کر سکتے ہو۔ چنانچہ انھوں نے پھر رجوع کر لیا تھا۔

قال احمد : حدثنا سعد بن ابراہیم حدثنا ابی عن محمد بن اسحاق قال حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمۃ مولى بن عباس عن عباس قال :

طلق رکاتۃ بن عبد یزید ، اخو المطلب ، امرأتۃ ثلاثۃ فی مجلس واحد فحضرت علیہا حزنا شدیداً فسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتهما ؟ قال طلقتهما ثلاثاً ، قال فی مجلس واحد ؟ قال نعم ، قال : فانما ثلاث واحدۃ فارجعها ان شئت قال فراجعها قال : دکان ابن عباس یرى ان الطلاق عند کل طهر (مسند احمد)

اس اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فیصلے ہوتے رہے پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی یہی قانون جاری رہا ، حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں (بعض کی رو سے تین سالوں) میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا لیکن لوگوں نے اسے تسلسل بنالیا تھا ، غالباً عورتوں کا استحصال کرنے کے لیے وہ تین طلاقیں دے کر عورتوں کو ہر سال کرتے۔ پھر اپنی منواتے تھے ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مصدق اسے مؤثر قرار دے کر اسے نافذ کر دیا ، اور ایک مجلس میں تین طلاقیں کو تین ہی قرار دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب : ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ امانۃ فلو اعضاء علیہم فامضالا علیہم (مسلم جلد ۱)

یہ طاؤس تابعی کی روایت ہے ، ان کی طرح ابوالصبار سے بھی روایت آئی ہے کہ انھوں نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ : کیا حضور کے مبارک عہد میں ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقیں ایک شمار نہیں ہوتی تھیں ؟ انھوں نے کہا ہاں :

ان ابا الصہباء قال لابن عباس ان تعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وثلاث من امانۃ عمر فقال ابن عباس نعم (مسلم جلد ۱)

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ لوگوں نے بڑی جلدی آسانی اور ہلکت گنائی ہے، کاش! تین ہی مؤثر کر دیتے، اس امر پر دال ہے کہ انھوں نے مسئلہ کی نوعیت نہیں بدلی بلکہ تعزیراً ایسا کیا ہے کہ لوگ رک جائیں۔ چنانچہ بعد میں وہ اپنے اس اقدام پر پچھتا گئے بھی۔
قال ابو بکر الاسماعیل فی مسند عمر: اخبرنا ابو یعلیٰ حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال، قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ماتت علی شئ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمات المطلاق الحدیث (اغاثۃ اللفاظ ج ۳۳)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کی توثیق کی تھی۔ کیونکہ بعض اوقات اسلامی حکومت کی عارضی حکمت عملی سے حکمت اور مصلحتاً تعاون کرنے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن اس کی حیثیت دائمی قانون کی نہیں ہوتی۔ اس لیے بعض لوگوں کو بعض صحابہ کی ایسی روایات سے حیرت نہیں ہونی چاہیے، جن میں حضرت عمرؓ کے عمل سے موافقت کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان حالات میں ایسی صورت ممکن ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ اسے دائمی قانون کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، محل نظر ہے۔ اگر بعض آثار و واقعات ایسے مل بھی جائیں تو بھی مرفوع احادیث نے جو عقدہ کشائی کی ہے اس کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ الاحادیث یضرب بعضہا بعضاً۔

اس مسئلے کی دوسری علمی گفتگو، سودہ بھی کی جاسکتی ہے، اور لوگوں نے کی بھی ہے اور اس موضوع پر بعض دوستوں نے خاصی طبع آزمائی بھی کی ہے مگر ان کی حیثیت "تقریر" کے مقابلے میں "تاویل اور تکلف" کی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ: جن احادیث میں، ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک طلاق بیان کیا گیا ہے۔ وہ قرآن حکیم کی بیان کردہ حکمت عملی کے بھی عین مطابق ہے اور نوع انسان کی غیر متوازن کیفیت اور حالات کی رو سے بھی یہی حکمت عملی قرین قیاس ہے اور اس کا وہ ایک متوازن حل بھی ہے جس طرف دوسرے دوست دعوت دے رہے ہیں، گو وہ کہتی ہی نیک نیتی پر مبنی ہو، بہر حال اس سے ان مشکلات اور بے چینیوں میں اضافہ تو ممکن ہے، افادہ نہیں۔

ہمارے ایک فاضل دوست نے ان روایات کے مشاہدہ کے بعد جو بات کہی ہے اس نے ہمارے موقف کی اصابت اور ضرورت کو اور زیادہ واضح کیا ہے، انھوں نے فرمایا

ہے کہ:

اہل حدیث مکتبِ نمک کے اس موقف کی اصابت نے ہمارے بہت سے مسلمانوں کو عیسائی ہونے سے بچا لیا ہے۔ ورنہ ہوتا یہ تھا کہ: جب ایسے متاثرہ لوگ علمائے کرام کی طرف رجوع کرتے تو جو بزرگ "ایک مجلس میں تین طلاقیں" کو تین طلاق ہی قرار دیتے ہیں ان کی باتیں سن کر وہ عموماً عارضی طور پر یا منتقل طور پر عیسائی بن کر اس مخصوصہ سے نکلنے کی کوشش کرتے تھے۔ اب ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

جس طرح بعض مصالح کی بنا پر تین طلاقیں کو حضرت محمدؐ نے مؤثر قرار دیا تھا، اسی طرح حالات کا تقاضا ہے کہ اب ہماری حکومتیں بھی اس مفہوم کے سد باب کے لیے یکجا تین طلاقیں کو ایک ہی قرار دینے کا اعلان کریں تاکہ دنیا پریشانی سے نجات پا سکے۔ یہ احادیث قرآن کی روح کے بھی عین مطابق ہیں اور حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضوں کی روح سے بھی بالکل ہم آہنگ ہیں۔ طبیعت کو اگر اس انقباض سے صاف کر لیا جائے جو مخصوص وساطت اور خاص ڈگر سے وابستگی کی پیداوار ہوتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکیمانہ تلقینات اور تعلیمات سے قدرتی ہم آہنگی اور مناسبت کے لیے شرح صدر جیسی دولت ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کے بعد اور کسی پاشخی کی تمنا باقی نہیں رہتی۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

۲۔ ایک صاحب پر چھتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ:

۱۔ فرض نماز اور سنتوں کے درمیان زیادہ وقفہ نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ نیز یہ کہ جہاں فرض پڑھے جائیں، سنتیں وہاں سے بہٹ کر پڑھی جائیں۔ منون کیا ہے؟

۳۔ ایک اور مولوی صاحب کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ فرضوں کے بعد دعا مانگنے کے قابل

نہیں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

قرآن و حدیث کی رو سے صحیح کیا ہے؟

الجواب

فرضوں کے بعد سنتوں میں تاخیر۔ احناف کا خیال ہے کہ: تاخیر نہیں ہونی چاہیے! یہ مکروہ تنزیہی ہے، یعنی تاخیر خلافِ اولیٰ ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تاخیر کر کے سنتیں پڑھتا

ہے تو وہ سنتیں ہی ہوں گی مگر غیر منون وقت میں۔

بیکرة تاخير السنة الا بقدر اللهم انت السلام الخ (در مختار) فتحمل الكراهة
.... على التنزيهية لعدم دليل التحريمية حتى لو صلاها بعد الاوراد تقع سنة
مؤداة لكن لا في وقتها المنون (رد المختار)

قال ابن الصمام: ان السنة في الصلوة التي بعدها سنت ان لا يجلس بعد
السلام الا قدرا اللهم انت السلام ومنك السلام (فتح القدير)
بقدر اللهم انت السلام ومنك السلام كما طلب انذاراً اور تقریباً ہے۔ تحریراً
(حد بندی) نہیں ہے۔

لان المقدار المذكور من حيث التقريب دون التحديد.... وكون التقريب
في التخمين دون التحديد والتحقيق (غنية المستمل في شرح منية المصلي)
کہتے ہیں احادیث میں جس نماز کے بعد اذکار اور دعاؤں کا ذکر آیا ہے، اس سے
ساری نماز مراد ہے، کیونکہ سنتیں فرضوں کا ضمیمہ ہوتی ہیں۔

واما ما روي من الاحاديث في الاذكار عقب الصلوة فلا دلالة فيها على الاتيان
بها عقب الفرض قبل السنة بل يحمل على الاتيان بها بعد السنة ولا يخرجها تعلق السنة
بينها وبين القرينة عن كونها بعدها وعقبها لان السنة من احوق الفريضة وتوابعها و
كملاتها فلم تكن اجنبية منها فما يفعل بعدها يطلق عليه انه فعل بعد الفريضة وعقبها
(غنية المستمل)

لیکن یہ تاویل، تاویل سے زیادہ ایک تکلف ہے، جب حقیقت متعذر نہیں ہے پھر تاویل
کا کیا فائدہ؟

یہ تاویل بتاویل مجاز ہے لیکن یہاں حقیقت متعذر نہیں ہے، خاص کر در الصلوة المكتوبة
کے الفاظ ان کی تاویل کو رد کرتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ تاخیر اور اذکار منونہ کے سوا ہو تو مناسب نہیں
ہوگی، اس لیے فقہاء احناف نے بھی فرضوں کے بعد ان اور اذکار کے پڑھنے کو بھی مستحب
کہا ہے جن کے پڑھنے کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔

ويستحب ان يستغفر ثلاثا يقرأ اية الكرسي والمعوذات ويسبح ويحمد ويكبر
ثلاثا وثلاثين ويهلل تمام لما تة ويبدعو ذبحة لسبعين ربك (در مختار)

جو حضرات فرغوں کے بعد سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر نہ سب نہیں سمجھتے ان کے دلائل یہ ہیں:
حضرت عائشہؓ کا ارشاد: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیر کر فرشتے
بقدر اللہم انتہ السلام ومنک السلام اُتبعیتے تھے۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا استتم لم يقعد الا مقدرا يقول اللهم
انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام (مسلم)

لیکن محدثین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز کی حالت میں قبلہ رخ بیٹھنے کی جو حالت
حق، اسلام کے بعد تقریباً اتنے ہی وقفہ پر بدل جاتی تھی، علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں
الظاهر ان المراد لم يقعد على هيئته الا هذا المقدار ثم ينصرف عن جهة القبلة و
الانقضاء جاء ان كان يقعد بعد صلوة الفجر التي تطلع الشمس وغير ذلك، فلا دلالة في
هذا الحديث على ان المصلي لا يشتغل بالاوراد والواردات بعد الصلوة بل يشتغل بالسنن
الرواتب ثم يأتي بالاوراد كما قال بعض العلماء (حاشیہ ابن ماجہ باب ما يقال بعد التسليم)
حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی روایت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ پھر آپؐ مقتدیوں کی طرف
رخ فرماتے تھے۔

كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا صلی صلوة اقبل علينا بوجهه (بخاری)
باب استقبال الامام الناس اذا سلم حضرت انسؓ سے بھی یہی ثابت ہے۔ (بخاری)
انسؓ بن مالک۔ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ سلام پھیرتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

قال صلیت وراء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وكان ساعة يسلم يقوم، ثم
صلیت وراء ابی بکر فكان اذا سلم وثب فكانما يقوم عن رشفة درواة عبد الرزاق وفيه ابن
جریج وقال حدثت وفي الطبرانی الكبير: ابن فروخ عن ابن جریج عن عطاء عن انسؓ

وفي رواية: رثم) انقل ساعتئذ كانا كان جالسا على رشف (عبد الرزاق باب
مكت الامام بعد ما يسلم)

اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کسی وقت پر آپؐ نے ایسا بھی کیا تھا، لیکن اس سے
یہ نتیجہ نکالنا کہ انھوں نے وقفہ جائز نہیں سمجھا تھا۔ محل نظر ہے۔ جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت
ہے کہ آپؐ سلام پھیر کر ذکر اذکار بھی کرتے رہتے تھے، یا یہ کہ صبح کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک

آپ کبھی بیٹھے بھی رہے تھے، بہر حال یہ سب امور مندرجہ بالا روایت کے خلاف جاتے ہیں۔ جو تاخیر کو مکروہ قرار دیتے ہیں یہ امور ان کو دعوتِ مطالعہ دیتے ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ فرض اور سنتوں کے درمیان وقفہ نہ کرنا یہود و نصاریٰ کا دستور تھا۔ روایت میں ہے کہ جب سلام پھیرا تو ایک شخص دو گانہ پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پکڑا اور کہا کہ یہ اہل کتاب کا جنمک دستور تھا، حضورؐ نے اس پر آپ کو شاباش کہی۔

ثم القتل كالقتال ابی دشتہ یعنی نفسہ فقام الرجل الذی ادرك معه التكبيرة الاولیٰ یشفع فوشب عمر فاخذ بمنكبیه فهداه ثم قال اجلس فانه لم یهلك اهل الكتاب الا انهم لم یكن یصلونهم فصل فرغ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصلا فقال اصاب اللہ بك یا بن الخطاب (ابوداؤد باب فی الرجل یتطوع فی مكان الذی فیہ المکتوبہ) قال صاحب اعلام اهل العصر: وانظروا ان عمر لم یرد بالفضل فصلا بالتقدم لانه قال له اجلس ولم یقل تقدم او تاخر فتعین الفصل بالزمان (عون المعبود)

وقال الطیبی: ویحتمل ان یزاد بعدم الفصل تروا المذکر بعد السلام (عون) ففرضوں کے بعد بعض سورتوں اور اذکار کی تلقین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طیبی کی توجیہ معقول ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ فرضوں کے بعد من کے درود کی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفارش کی ہے۔ فرضوں کے بعد اتنی دیر اور تاخیر مکروہ نہیں، منوں ہے، باقی رہا کوئی اور شغل؟ سو اس کی وجہ سے تاخیر کوئی مستحسن امر نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت ام شواکانی رحمۃ اللہ علیہ کی بے اطمینانی بے محل معلوم ہوتی ہے اور بالکل غیر قدرتی۔ ہمارے نزدیک وہ اس سلسلے کی روایات کے بھی خلاف ہے۔

وہ اذکار، ورد و وظائف اور دعائیں جو فرائض کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں خاصی تعداد میں ہیں، اگر وہ سب یا چند ایک ملا کر کوئی نماز پڑھنا چاہے تو ظاہر ہے کہ فرضوں اور سنتوں کے درمیان وقفہ اور بڑھ سکتا ہے جو مطلقاً تاخیر کو مکروہ تصور فرما رہے ہیں ان کے لیے یہ بات مشکل بن جاتی ہے، چنانچہ اب انھوں نے یہ قید بھی بڑھا دی ہے کہ حضورؐ سے جو ثابت ہیں ان سب کو جمع نہ کرے، کوئی ایک سی شے پڑھ لے۔ والادعیۃ بعد الغریفة قبل السنن ثبتت کثیرۃ و لکنہ لا یجمعہا بل میاقی

بایستھا شاء (فتح القدیر)

لیکن اس کی دلیل انھوں نے ذکر نہیں فرمائی کہ کیوں؟ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ منون وقت کے اندر اندر بننے وظائف اس سے پڑھے جاسکتے ہیں پڑھ سکتا ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تحدید نہیں آئی کہ منون اور ادیں سے صرف ایک آدھ پڑھے، بہر حال جمہور کا مذہب یہی ہے کہ سنتوں سے پہلے منون اذکار پڑھ سکتا ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

و یؤخذ من مجموع الأدلة ان للامام احوال الان الصلوة امان تكون مسايتوع بعد ما ولا يتطوع؛ الادل مختلف فيه هل يتشاغل قبل التطوع بالاذکار الماثور ثم يتطوع وهذا الذي عليه عمل الاكثر وعند الحنفية يبدأ بالتطوع وحجة الجمهور حديث معاوية (فتح الباری باب مکث الامام فی الصلوة بعد السلام)

حافظ ابن حجر نے جو حدیث معاویہ ذکر کی ہے وہ مسلم میں ہے:

قال السائب بن یزید انه صلی مع معاوية الجمعة فنفل بعد ما فقال له معاوية اذا صليت الجمعة فلا تصلها حتى تتكلم او تخرج فان النبي صلى الله تعالى علیه وسلم اوفى بذلك. (فتح)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد جگہ کی تبدیلی ہو سکتا ہے، ذکر منون نہیں۔

ويمكن ان يقال لا يتعين الفصل بين الفريضة والذخلة بالذکر بل اذا تمنى من مكانه كفى (فتح)

لیکن فرماتے ہیں، دوسری جن روایات میں فرضوں کے بعد اذکار کا ذکر آیا ہے۔ اس سے ”ذکر ماثور“ کی ترجیح ثابت ہو جاتی ہے۔

ويترجم تقديم الذکر الماثور بتقييده في الاخبار الصحيحة بدبر الصلوة (فتح) اور یہی حق ہے۔ کما مر!

جگہ کی تبدیلی۔ یہ منون امر ہے اور مطلوب ہے۔ اہم اور مقتضی کے لیے یکساں ہے مگر کچھ بزرگوں نے اسے صرف اہم کے لیے مخصوص کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس سلسلے میں بعض صحابہ اور تابعین کے آثار بھی ملتے ہیں (مصنف عبد الرزاق وابن ابی شیبہ) تاہم ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی نازی فرض پڑھ کر جگہ تبدیل کیے بغیر وہاں ہی سنتیں پڑھے تو

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جو حضرات جگہ تبدیل کرنے کو کہتے ہیں، وہ اولیٰ کہہ کر کہتے ہیں، بہر حال جو حضرات جگہ تبدیل کرنے کے حق میں ہیں ان کی دلیل یہ ہے۔

حضرت میسرہ فرماتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ اپنی جگہ تبدیل کر لے۔

لا یصل الامام فی الموضع الذی صلی فیہ حتی یتحول ردراہ ابوداؤد وقال: عطاء الخراسانی لم یدرک المعبوتۃ بن شعبۃ) یعنی یہ روایت منقطع ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کیا تم سے بھی نہیں ہو سکتا کہ فرض پڑھ کر ادھر ادھر جگہ تبدیل کر لیا کرو۔

الیعجز احدکم... ان یتقدم او یتأخر او عن یمینہ او عن شمالہ زاد فی حدیث عداد فی الصلوٰۃ ان فی السبخۃ (ردراہ ابوداؤد وقال البخاری وینذ کو عن ابی ہریرۃ رفع لا یتطوع الامام فی مکانہ ثم یصح وقال العافظ: وذلك لضعف اسنادہ واضطرابہ تفرد بہ لیث بن ابی سلیم وهو ضعیف وقال: وقد ذکر البخاری الاختلاف فیہ فی تاریخہ وقال لم یتثبت هذا الحدیث)

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ: بات کر لیں یا جگہ تبدیل کر لیں پھر سنتیں پڑھیں۔ حضورؐ نے ایسا میں حکم دیا ہے، یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ عافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ اس سلسلے میں حدیث ثابت نہیں ہے تو ہم کہیں گے ثابت ہے۔

فانقلیل لم یتثبت الحدیث فی التعمی قلنا قد ثبت فی حدیث معاذ بن عتق (فتح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ امام جگہ تبدیل کر کے کھڑے ہوں۔

من المسنۃ ان لا یتطوع الامام حتی یتحول من مکانہ (ردراہ ابن ابی شیبۃ وقال العافظ: ردی ابن ابی شیبۃ باسناد حسن (فتح)

امام بخاریؒ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ جہاں فرض پڑھتے وہاں سنتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

عن نافع کان ابن عمر یصلی فی مکانہ الذی صلی فیہ الغریضۃ (بخاری)

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ:

وکان اذا صلی المکتبۃ سبع مکانہ (عبدالرزاق)

ان کا قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے،

ابن ابی عمیر کان لایری بہ باسا (ابن ابی شیبہ)

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر جبکہ تبدیل کرنے کے حق میں تھے۔

عن عطان ابن عباس وابن الزبیر و باسعید وابن عمر كانوا یقولون لا یتطوع حتی

یتحول من مکان الذی صلی فیہ الفریضۃ (ابن ابی شیبہ)

بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عمر کا یہ قول صرف امام کے متعلق ہے۔

فقال ابن المسیب: انما کثر ذلک للامام (عبدالرزاق) قال الشعبي انه کثر اذا

صلى الامام ان يتطوع في مكانه ولم يرد به لغير الامام باسا (ابن ابی شیبہ)

یہ ان کا استنباط معلوم ہوتا ہے وراصل وہ اسے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے

اس لیے وہ دونوں طرح کہتے اور کرتے تھے اس سے ایک نے سمجھا کہ یہ کراہت "امام" تک محدود ہے دوسرے نے کہا کہ وہ سب کے لیے یہی تصور کرتے تھے۔

ایک شخص فرض پڑھ کر اسی جگہ سنتیں پڑھنے لگا تو حضرت ابن عمرؓ نے اسے دھکا دیا اور بتایا کہ تو نے فاصلہ نہیں کیا۔

من اجل ذلك اذ لم تكلم منذ المصرفت من المكتوبة (عبدالرزاق)

بہر حال مرفوع احادیث سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جبکہ تبدیل ہو جائے تو بہتر ہے۔ اگر تبدیل نہ کر سکے تو کم از کم کام ہی کسی سے کر لے، باقی رہی حکمت و تو کوئی کہتا ہے کہ جبکہ گواہی دے گی یہ بھی گواہ رہے اور وہ ٹکڑا بھی کوئی کہتا ہے کہ: فرض اور نوافل میں امتیاز ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام ضرور بدلے تاکہ اس پر قیادت کا نشہ طاری نہ رہے، سوشلسٹ سے پوچھ گئے تو وہ کہے گا کہ: میںاں جی اسے کہیں اپنی ملکیت نہ بنائے، لیکن صحیح یہ ہے کہ: چونکہ ہمارے بچے اسے پسند کرتے ہیں۔ ہمیں بھی پسند ہے۔

رشتہ اور گردنم انگذہ دوست می کشد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کوئی حکمت اور فلسفہ نہیں۔ لتعلم من يتبع الرسول من ينقلب على عقبيه۔

ابن تیمیہؒ اور دعاء امام ابن تیمیہؒ فرض نمازوں کے بعد ذکر اذکار کے تو قائل ہیں لیکن دعا کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ وہ نماز میں سلام سے پہلے کی جاسکتی ہے جب ان سے کہا گیا کہ دعا

کے لیے دبر الصلوٰۃ المکتوبہ کے الفاظ آئے ہیں، جس کے معنی فریضوں کے بعد کے ہیں، تو فرمایا دُبرائے کا جز ہوتا ہے، تو وہ سلام سے پہلے ممکن ہے۔ سلام کے بعد جز نہیں رہتا۔

واما لفظ دبر الصلوٰۃ فقد يراد به آخر جز رمنه وقد يراد به ما يلي آخر جز رمنه كما في دبر الانسان فانه آخر جز وعنه ومثله لفظ العقب وقد يراد به الجزء المجر من الشئ كعقب الانسان وقد يراد به ما يلي ذلك فالدعاء المذكور في دبر الصلوٰۃ اما ان يراد به آخر جز ومنها ليوافق لقية الاحاديث او يراد به ما يلي اخرها ويكون ذلك ما بعد التشهد (فتاوى ابن تيمية جلد ۲۲ ص ۴۹)

لیکن علمائے ان کی یہ دریافت قبول نہیں فرمائی، کیونکہ تسبیحات مسنونہ کے لیے بھی دبر الصلوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں، تو کیا یہ بھی سلام سے پہلے ہونی چاہئیں؟ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وذهب بعض الحاذقة ان المراد بدبر الصلوٰۃ ما قبل السلام وتلقب بعد يث ذهب اهل البثور فان فيه تسبيح دبر كل صلوٰۃ وبعد السلام جز ما فكل ذلك ما شابه (فتح الباری باب سكك الامام في مصلا بعد السلام) (عزیز زبیدی)

۳۔ دراصل نماز کے بعد دعا کے سلا کا تعلق امام کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کے بعد دعا کیلئے دوبارہ اجتماع یا اس دعا کیلئے سب کے مشترکہ ہاتھ اٹھانے کی کیفیت سے ہے جو حدیث سے ثابت نہیں۔ جہاں تک اذکار مسنونہ کا تعلق ہے وہ جماعت کے ختم ہونے کے بعد جماعتی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نماز کی ابتدا تکبیر سے ہوتی ہے اور اختتام تسلیم سے۔ لہذا زیر غور نکتہ یہ ہے کہ اگر تسلیم کے بعد دعا کیلئے وہی اجتماعی کیفیت بنائی جائے تو یہ جماعت بندی ہو کر نماز کا حصہ بن جائے گی۔ حالانکہ نماز باجماعت ختم ہو چکی ہے۔ گویا دبر الصلوٰۃ سے بعد از نماز مراد لیکر بھی علماء اس دعا کو نماز باجماعت کا ایک جز رہی بنا یا جائیگا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ ایسی دعا کے بغیر نماز کو ناقص سمجھتے ہیں۔ اس میں منظر میں امام ابن تیمیہ کا مسنون دعا کو دبر الصلوٰۃ میں شامل کر کے تسلیم سے قبل رکعت اور بعد از نماز اجتماعی کیفیت کو دبر الصلوٰۃ کے مفہوم سے خارج قرار دینے کی توجیہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔ فافہم وتدبر!

(مدیر)

جانب بریل الزمان کی کاؤس
سچ پریم کورٹ آف پاکستان (ریٹائرڈ)

قرآن و سنت کا عملی نفاذ

میں نے ایک مضمون میں تجویز پیش کی تھی کہ صرف اس قدر قانون بنا دیا جائے کہ —
عدالتیں قرآن و سنت کی پابند ہوں گی۔ اور کوئی ایسا قانون نافذ نہ ہوگا جو کتاب و سنت
کے منافی ہو تو اس طرح کتاب و سنت مکمل طور پر نافذ ہو جائیں گے، اسلامی قانون وضع
کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ وضع کرنے کا کسی کو اختیار حاصل ہے۔ عدالتیں خود کتاب و سنت
کی بنا پر فیصلہ کریں گی اور مقدمات کے فیصلے کتابوں میں موجود ہیں جو عدالتوں کی امداد
کریں گے۔

اس پر محترم مرغوب صدیقی صاحب نے ایک مضمون میں خدشات کا اظہار کیا کہ اس
طرح اسلامی نظام کے نافذ ہونے میں دو تین ہیں۔ کیونکہ
جو موجودہ قانون ہے وہ تو ختم ہو جائے گا اور جب تک اسلامی قانون کی بنا پر فیصلہ
کرنے کے لیے فقہاء کا اجتہاد موجود نہ ہو تو عدالتیں فیصلہ کیسے کریں گی؟ نیز انھوں نے فرمایا کہ
عدالتوں کو اسلامی شریعت کا تجربہ نہیں ہے لہذا مزید تربیت کے بغیر وہ درست فیصلہ نہ کر
سکیں گی۔ میں اس مضمون میں وضاحت کروں گا کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟
پیشتر اس کے کہ میں صدیقی صاحب کے خدشات پر بحث شروع کروں میں بار دیگر
اسلامی نظام کی حقیقت کو مختصر الفاظ میں بیان کروں تو نا سب ہوگا۔

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ اسلامی سلطنت کا حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سلطنت کا قانون
صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ چودہ سو سال ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا قانون رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم پر نازل فرمایا۔ مسلمہ طور پر یہ قانون ازلی اور ابدی ہے۔ لوح
محفوظ میں ہمیشہ سے موجود تھا اور یہ نافذ اس وقت ہوا جب وحی اتاری اور جوں جوں وحی
کا نزول ہوتا گیا اس کو نافذ ہونے کے لیے کسی مقننہ کی حاجت نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا کہ جو ابند ہے تو قیامت تک کے لیے جو امت مسلمہ کے لیے بند ہو گیا، یعنی حرام ہو گیا۔ اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ کوئی مقننہ کہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرتے ہیں۔ اسلامی سلطنت کا حاکم اعلیٰ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مسلمان حاکم کو جو دراصل اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے، یہ ہدایت کر دی ہوئی ہے کہ جو کچھ اللہ نے حکم دیا، وہ اس کی تعمیل کر اے گا۔ یہی اسلامی حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت خود قانون وضع نہیں کرتی، یہ اس ازلی ابدی قانون کی، جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اطاعت کرواتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کے لیے صرف قواعد و ضوابط بوقت ضرورت بنا سکتی ہے۔ بارہ تیرہ صدیاں کسی مسلمان ملک کو کسی مقننہ کا حکم تک نہ تھا۔ لیکن جب ہم یورپین اقوام کے غلام ہو گئے تو انھوں نے ہم پر مقننہ کے ذریعے حکومت کی اور ہم نے سمجھا کہ شاید مقننہ ہی کے قوانین کے ذریعے حکومت ہوتی ہے۔ لہذا ہم اب ہر بات میں کسی مقننہ کے قانون کی توقع کرتے ہیں۔ جب تک مقننہ قانون وضع نہیں کرتی ہم کہتے ہیں کہ قانون موجود نہیں۔ یہ مغربی قانون کا خاصہ ہے۔

ہمارا قانون صرف الہامی ہے، اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہوا ہے کہ یہ کتاب مکمل ہدایت ہے اور اس میں پوری تفصیل ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں، یہ ہر سوال کا جواب دیتی ہے اور تمام فیصلے صرف کتاب و سنت کی بنا پر ہونے چاہئیں۔ اور جو کوئی کتاب سنت کی بنا پر فیصلہ نہ کرے۔ وہ کافر ہے، فاسق ہے۔ ظالم ہے۔

جب میں نے کہا کہ عدالتوں کو کتاب و سنت کا پابند کر دو تو کتاب و سنت نافذ ہو جائیں گے۔ اور میں نے ساتھ ہی کہا کہ اسلامی سلطنت میں تو قانون صرف کتاب و سنت ہوتا ہے۔ تو صدیقی صاحب نے اس سے تین سوال پیدا کیے کہ

۱۔ قرآن و سنت کے کچھ قوانین ایسے ہیں کہ جب تک ان کے لیے ذیلی قوانین نہ بنائے جائیں، ان کا نافذ کرنا مشکل ہے۔

۲۔ ہمارے صحیح صاحبان اسلامی شریعت میں کافی مہارت نہیں رکھتے۔

۳۔ اس زمانے میں نئے نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں، بارہویں تیرھویں صدی تک جو مسائل پیدا ہوئے ان کے لیے تو کافی تشریح کتابوں میں موجود ہے لیکن جو مسائل سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید معیشت سے موجودہ صدی میں پیدا ہوئے۔ ان کے حل کے لیے

فقہاء کا اجتہاد موجود نہیں، لہذا عدالتیں بغیر مزید امداد کے فیصلے نہ کر سکیں گی۔

پیشتر اس کے کہ میں ان سوالات کا جواب دوں مناسب ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں اسلامی شریعت کی تاریخ کا حوالہ دوں تاکہ واضح ہو جائے کہ کس قدر بھارت پاکستان کے صحیح صاحبان اسلامی شریعت کے معاملہ میں رکھتے ہیں۔

جب انگریز نے ہندوستان پر حکومت شروع کی تو اس وقت ہندوستان میں شریعت اسلامیہ نافذ تھی اور تمام فیصلے قرآن و سنت کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ رعیت کو حتی الوسع اپنے شخصی قانون پر قائم رہنے دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے ان تمام شخصی قوانین کو قائم رکھا جن کا تعلق مسلمانوں سے ہی تھا۔ جن معاملات کے متعلق اسلامی شریعت نافذ رہی ان کی فہرست میں درج ذیل کرتا ہوں۔

وراثت، وصیت، گزارہ، حقوق الزوجین، حقوق اطفال، ہبہ و ولایت، جائز و حرمت، نابالغی، نکاح، طلاق، خلع، ایلا، ظہار، منکح، امانت، وقف، دینی ادارے یا دینی معمولات، یا خیراتی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا کے علاوہ شفع کا قانون بھی ہندوستان کے کچھ صوبوں میں اسلامی شریعت کے مطابق تھا۔ جب سے انگریز نے ہندوستان میں حکومت شروع کی، ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں مندرجہ بالا معاملات میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتی چلی آئی ہیں۔ کسی مقدمہ نے ان کو یہ نہ بتایا تھا کہ اسلامی شریعت (مسلم لا) کیسا ہے۔ وہ خود قرآن و حدیث سے پڑھ کر اور فقہاء کی آراء و اجتہاد کی بنا پر جو کتابوں میں موجود تھا فیصلہ کرتی چلی آئی ہیں۔ ان کو فیصلہ کرنے میں باوجود اس کے کہ عام طور پر جج عربی بولنے والا نہ ہوتا تھا۔ کبھی وقت نہیں ہوئی۔ کیونکہ قرآن پاک کے مستند تراجم اردو، انگریزی کے بھی موجود ہیں اور حدیث کے بھی اور سابقہ فقہاء کے اجتہادات بھی۔ جو کتابیں انھوں نے اس غرض کے لیے استعمال کیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کتابیں موجود ہیں۔

جو کتابیں خود ہندوستان میں اور پھر پاکستان میں اسلامی شریعت پر لکھی گئیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ نہ صرف مسلمانوں نے لکھیں بلکہ ہندوؤں اور انگریزوں نے بھی لکھیں۔ سید بدرالدین طیب جی، سید امیر علی، سید عبدالرحیم، فیضی، عبدالرحمن،

ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا حفظ الرحمن سیوہاری، مولانا حامد الانصاری، ڈنکانر دون جی ملا، سلیف، میکناٹن، ہلٹن۔ بی، کلاطیب جی، فدا حسین وغیرہ وغیرہ — یہ وہ ہیں جنہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں شریعت پر کتابیں لکھیں اور اس کے علاوہ ایک فہرست ان کتابوں کی ہے جو پاکستان میں اسلامی شریعت پر لکھی گئیں۔

علما نے بھی لکھیں اور قانون دان طبقہ نے بھی مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، کمال ناروقی، قادری، سید انور علی شاہ وغیرہ وغیرہ۔

یورپین مصنفوں کی بھی بہت سی کتابیں اسلامی شریعت کے متعلق ہیں، جن سے ہندوستان اور پاکستان والے استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ کے مسلم اور غیر مسلم مصنفین کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ جب سے انگریز کی حکومت ہندوستان میں شروع ہوئی تو ہندوستان کی عدالتوں نے شریعت اسلامی پر فیصلے لکھنے شروع کیے، بڑے بڑے مبوط فیصلے لکھے گئے۔ اسلامی شریعت کے بنیادی اصولوں پر بہت بحثیں ہوئیں اور فیصلے نہ صرف مسلمان ججوں نے لکھے بلکہ ہندو اور عیسائی ججوں نے بھی لکھے۔ ایک بڑی تعداد ان مقدمات کی تھی، جو غلطی کے سپرد کیے گئے اور پاکستان بنا تو یہی معاملہ پاکستان کے ججوں کا تھا۔ بڑے مفصل فیصلے شرع کے مسائل کے متعلق کیے گئے۔ خلع کے معاملہ میں جو سپریم کورٹ نے فیصلہ لکھا، قریباً پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔

دو صدیوں سے زیادہ عرصہ ہندوستان اور پاکستان کی عدالتوں نے اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کیے۔ اور کبھی کسی عالم دین نے اعتراض نہ کیا کہ ان کو قانون کا صحیح پتہ نہ تھا اور سوائے ایک فیصلہ کے جو جسٹس شیخ محمد شفیع مرحوم نے کیا تھا، کبھی کسی فیصلہ پر اعتراض نہ کیا گیا۔ اس پر بھی ناقابلیت کا اعتراض نہ تھا بلکہ یہ اعتراض تھا کہ ان کا نظریہ درست نہیں۔

بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور انہوں نے اسلامی شریعت کی بہت خدمت کی ہے اور جس قدر اضافہ انہوں نے علم کے ذخیرہ میں کیا ہے اس کا دسواں حصہ بھی کسی دوسرے ملک نے نہیں کیا۔ البتہ اہم مسائل میں عدالتوں کے معاون اور مشیر کی حیثیت سے علمائے دین سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ بعض مسائل میں ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔

تائیں گرام اب پوچھیں گے کہ یہ قانون بنانے سے کہ عدالتیں کتاب و سنت کی پابند ہوں گی، کس حد تک موجودہ قانون میں فرق آئے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لحاظ سے فرق صرف اتنا ہے کہ اس سے پہلے اگر میں عدالت میں شریعت کا نفاذ تھا تو اب پچیس تیس میں ہو جائے گا۔ اور عدالت ہائے پاکستان کو ان معاملات کا فیصلہ کرنے میں کوئی وقت محسوس نہ ہوگی لیکن دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ اب تو جو قانون بھی کتاب و سنت کے منافی ہوگا، غلط ہو جائے گا۔ جب کہ اس سے قبل یہ صورت تھی کہ مقنن جو قانون بھی بنا دے اس کو کتاب و سنت سے تضاد کی بنا پر رد نہ کیا جاتا تھا۔ یہ تبدیلی بنیادی ہے۔ دراصل یہ تبدیلی عرصہ سے آچکی ہے اور پاکستان کی سپریم کورٹ ۱۹۷۹ء میں قبول کر چکی ہے کہ یہاں قانون صرف اللہ کا حکم ہے۔ لیکن ایک تضاد پاکستان کے قانون کے اندر اس طرح پیدا ہو گیا ہے کہ ایک طرف تو سپریم کورٹ نے کہا کہ قانون صرف اللہ کا حکم ہے اور دوسری طرف جو حلف عدالتوں سے لیا جاتا تھا وہ پاکستان کے آئین پر تھا تو عدالت عالیہ نے کہا کہ ہم تو آئین کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ عدالت عالیہ اب تک مقنن کے تمام قانون نافذ کرتی چلی آئی ہے۔ چاہے وہ کتاب و سنت کے خلاف ہی ہوں۔ میں نے جو ترمیم قانون میں پیش کی ہے اس سے دراصل اس تضاد کا رفع کرنا مقصود ہے، ورنہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق تو کتاب و سنت پہلے سے ہی اس ملک کا سب سے اعلیٰ قانون ہیں جن کے خلاف کوئی قانون جائز ہو ہی نہیں سکتا اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے۔ میں یہاں یہ بھی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ عدالت عالیہ جو فیصلے قرآن و سنت سے متضاد اس بنا پر کر رہی تھی کہ وہ آئین کی پابند ہے تو وہ صورت اب بدل چکی ہے اب بائی کورٹ کا وہ حلف تو موجود ہی نہیں کہ آئین کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اب ان کا حلف مختلف ہے لیکن پرانا سلسلہ قانون کے نفاذ کا سلسلہ اسی طرح سے جاری ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔

ساتھ ہی میں یہ وضاحت بھی اس مرحلہ پر کر دینا چاہتا ہوں کہ جو قانون اس وقت موجود ہے اس کا کیا ہوگا، کیا وہ سارا ختم ہو جائے گا؟ یہ خیال کہ اسلامی نظام آتے ہی وہ فوری طور پر سارا ختم ہو جائے گا۔ غلط ہے۔ صرف اتنا ہوگا کہ اس کے بیشتر حصے کی نثری حیثیت انتظامی احکام کی یا ذیلی قوانین کی ہو جائے گی۔ اگر حاکم وقت کوئی حکم جاری کرے تو وہ اگر

کتاب و سنت کے مطابق ہو تو درست قرار پائے گا، جس حد تک مطابق نہ ہو، غلط قرار دیا جائے گا۔ عدالتیں دیکھتی جائیں گی اور جس حد تک مطابق نہ ہوں گے، ان کو رد کرتی جائیں گی۔ گویا صورت وہی ہوگی، جو بنیادی حقوق کے متعلق ہے۔ یعنی کتاب و سنت کو بنیادی حقوق کی بجائے سمجھ لیا جائے گا اور جس حد تک کوئی قانون ان سے ٹکراتا ہوگا، تو غلط قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ ہر حکم کے لیے کتاب و سنت سے سند لانا پڑے گی۔ کیونکہ ادا امر و نہی الہی اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں اور کوئی انسان ان میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

اب، میں تینوں سوالوں کو لیتا ہوں جو ادھر میں نے درج کیے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کچھ شرعی احکام ایسے ہیں کہ جب تک کوئی ذیلی قوانین ان کے متعلق وضع نہ کیے جائیں وہ نافذ نہ ہو سکیں گے؟

عام تاثر یہی ہے کہ جب کتاب و سنت پر عمل کیا جائے گا تو بہت سے نئے معاملات پیدا ہوں گے مثلاً نظام نماز اور نظام نہ کوآۃ قائم کرنا، حکومت پر فرض ہے۔ اس کے متعلق قواعد و ضوابط ترتیب دینا ہوں گے۔ ایسا ہی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق سامعی کا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ نئے محکمہ جات قائم ہوں گے اور موجودہ محکمہ جات میں بھی ایسی تبدیلیاں کی جائیں گی لیکن ان معاملات میں صرف انتظار میرے لیے مقصود بندہ کی ضرورت ہے۔ ایسے معاملات میں حق و باطل کا سوال پیدا نہیں ہوگا اور بالفرض کوئی ایسا سوال پیدا ہو تو اس کے فیصلہ کے لیے عدلیہ موجود ہے۔ گویا اصل کام انتظامیہ کے کرنے کا ہے۔ یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ سائنسی ترقی وغیرہ کی وجہ سے لاکھوں مسائل پیدا ہوں گے تو ایسے خیالات کی بنیاد انتظار میرا اور عدلیہ سے متعلق مسائل کو آپس میں غلط ملط کرنے سے بنتی ہے۔ بنا بریں واضح ہے کہ قانون وضع کرنے سے متعلق کوئی نئے مسائل پیدا نہیں ہوں گے۔ بلکہ سوال کتاب و سنت کی تعبیر کا ہے اور اس کو عدالتیں ہی حل کریں گی یعنی حتمی فیصلہ سپریم کورٹ ہی دے گی۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا پاکستان کی عدالتیں اس قدر استعداد رکھتی ہیں کہ قانون شریعت کو سمجھیں تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا مزید اجتہاد شریعت کے نفاذ سے قبل لازم ہے۔ کیونکہ

موجودہ زمانے میں نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ بارہ تیرہ صدیاں اجتہاد تو ہوتا رہا جو عدالتوں کی امداد کے لیے موجود ہے لیکن موجودہ صدی میں جو نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، ان کے متعلق فیصلہ کیسے ہو گا؟ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اسلامی شریعت پر اجتہاد اس زمانے میں ہوا کرتا تھا جو نئے مسائل سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ بہر صورت اگر مزید اجتہاد کی ضرورت ہے تو کیا ہم شریعت کے نفاذ کے لیے اس کا انتظار کریں اور وہ اجتہاد اب کون کرے گا؟ اگر فقہاء نے ابھی کسی نئے مسئلہ کا حل پیش نہیں کیا تو پھر خود عدالتوں کو اس طرف توجہ دینا ہوگی۔ اور اگر ان کو ضرورت محسوس ہوگی تو ان کو کوئی امر مانع نہیں ہے کہ وہ علمائے دین کو بلا کر قرآن و سنت کی رائے دریافت کرالیں۔ ان کو بحث کرنے اور وضاحت کرنے کا موقع دیں۔ (اسلامی نظریاتی کونسل اس سلسلہ میں مدد و معاون ہو سکتی ہے) ہر معاملہ کا ہمتی فیصلہ تو ہماری سپریم کورٹ کو کرنا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری سپریم کورٹ شریعت کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے کی پوری اہلیت و استعداد رکھتی ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور تدوین کے کام کے مکمل ہونے تک شریعت کے نفاذ کو روک دیا جائے تو ایسا کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو تو موجود رہنا چاہیے تاکہ جب بھی حکومت یا عدلیہ کو کسی رائے اور مشورہ کی ضرورت پڑے تو وہ مشورہ دے اور وہ معاشرے کی اصلاح کے منصوبے بنانے میں مدد و معاون ہو سکتی ہے لیکن کونسل کی وجہ سے اگر اللہ کا قانون بجائے نافذ ہونے کے رک جائے تو گویا نظریاتی کونسل اللہ کے قانون کے نفاذ میں ایک رکاوٹ ہے۔

صدیقی صاحب نے لکھا ہے کہ خود کونسل سے تو یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کوئی اجتہادی امداد دے لیکن جو تحقیقاتی ادارہ ہے، اس کو ایک قابل وکیل کے سپرد کر دیا جائے تو یہ بہتر کام کرے گا۔ اور اس کی امداد سے کونسل کچھ کچھ اجتہاد کر سکے گی۔ تحقیقی ادارے تو تحقیق ہی کرتے ہیں، وہ اجتہاد کرنے والے ادارے نہیں ہیں۔ اگر ہمارے تحقیقی ادارہ نے آج تک کچھ کام نہیں کیا تو ایک قابل وکیل کے وہاں داخل ہونے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ جائے گا اور اس سے ہم کوئی بڑی امیدیں وابستہ کرنے میں حق بجانب نہ ہوں گے۔

کونسل کے متعلق اس بات کو بھولنا نہ چاہیے کہ وہ کوئی بااختیار ادارہ نہیں ہے۔ وہ

صرف مشورہ دیتی ہے، جبکہ اراکین پارلیمنٹ پر کوئی پابندی اس کی سفارشات کی منظوری کے ضمن میں نہیں ہے۔

کیا ذیلی قانون بنے گا، اس کا فیصلہ تو پارلیمنٹ کے حیران ہی کریں گے۔ جن میں سے بہت کم کتاب و سنت کا علم رکھنے والے ہوتے ہیں اور جو اپنے فیصلوں میں سیاسی مفادات سے متاثر ہوتے ہیں۔ لادینی سیاست تو اقتداری سیاست ہے اور اس کا ہر عمل اقتدار کے تحفظ کو مد نظر رکھتا ہے، جتنا عرصہ مارشل لا موجود ہے، نظریاتی کونسل کی سفارشات کو پوری وقعت دی جائے گی لیکن مارشل لا کے دور کے بعد کیا اس کی حیثیت سابقہ کونسلوں جیسی نہ ہوگی؟ سوائے اس کے کہ حکومت کا نقطہ نظر ہی بدل جائے اور حکومت اسلامی نظام کو فی الواقع قبول کرے۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کے فوری نفاذ میں دراصل کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے اور اگر اس وقت کے حالات سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اور کتاب و سنت کے فوری نفاذ کا اعلان نہ کیا گیا تو اس سے ملک کو بہت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

ضروری گزارش

گزشتہ شمارہ میں محدث کی باقاعدگی کے اعلان کے مطابق چند ایام کے بعد ہی آٹھویں جلد کا پہلا شمارہ محرم الحرام ۱۴۹۸ھ میں تارمین کے سامنے ہے۔ ہمارا عزم ہے کہ آئندہ قارئین کو بے قاعدگی یا تاخیر کی شکایت کبھی نہ ہو۔ ان شاء اللہ! اپنی انتظامی الجھنوں کی دوری کے سلسلہ میں ایک ضروری گزارش قارئین کی خدمت میں بھی ہے: محدث کی اشاعت میں بے قاعدگی کے احساس کے تحت ہماری طرف سے کافی عرصہ سے سالانہ زرتعاون کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ جن معاونین نے از خود اس کا احساس کیا ہے، ہم ان کے بید شکر گزار ہیں، بہر حال جن اجاب نے زرتعاون ادا نہیں کیا ان کو بھی پرچہ کی ترسیل برابر جاری رہی الا یہ کہ کوئی صاحب نقل مکان کر گئے ہوں جس کی وجہ سے ان کے نام رول نہ کیا جانے والا پرچہ واپس آگیا ہو تو آئندہ اس پر تہہ تحریر "رسالہ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بہت سے اجاب کے ذمہ سالانہ زرتعاون واجب الادا ہے۔ ان اجاب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنا سالانہ زرتعاون بیس یوم کے اندر اندر بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں یا پھر آئندہ شمارہ بذریعہ دی پی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں۔ بطور اطلاع ان کے نام آنے والے پرچہ پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے۔ ترسیل زر کا پتہ یہ ہے: "دی اعلیٰ ماہنامہ محدث، ۱۰۰ راجہ ماڈل ٹاؤن، لاہور۔" انتظامی امور کیلئے خط و کتابت اس تہہ پر کریں: "دفتر ماہنامہ محدث" بالائی منزل "میگزین حافظ عبدالوہید اینڈ برادرز" رحمان گلی پبلشرز روڈ، لاہور۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔ والسلام! (ادارہ)

☆ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں — لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کے لیے رحمت کا باعث ہے ۔

☆ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار ، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں — لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دنیاؤں سے ہٹانا امت کی تباہی کا سبب ہے ۔

☆ غیر مذاہب کے بارے میں معاذ اللہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے — لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا ، حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے ۔

☆ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے — لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے ۔

☆ آئین و سیاست سے یگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے — لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☆ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد صالحین کے اوصاف میں داخل ہے — لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے ۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمائیے ۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ۔
انشاء اللہ ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں ۔